مجالس الشیخین

(مولانائے روم اور شیخِ اکبر کی روحانی مجلسیں)

از قلم

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

دار الکتاب دیوبند، یوپی ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب	مجالس الشیخین
مصنف	مولانا مناظر احسن گیلانی
ضخامت	۱۹۲ صفحات
سالِ اشاعت	سنہ ۱۹۸۲ء
کتابت	اعجاز رقم دیوبند
طباعت	محبوب پریس دیوبند
قیمت مجلد	۹/-

زیرِ اہتمام

جاوید اختر فیضی

فہرست مجالس الشیخین

حرف اول

دیباچہ

عنوان	صفحہ
مجالس شیخ اکبر قدس سرہٗ	
پہلی مجلس فلسفۂ مصیبت	۱۴
فقر و غنا	۱۵
سوال ہی استعداد فہم جواب کی دلیل ہے	۱۵
دوسری مجلس مشاہدہ اور مکاشفہ کا فرق	۱۶
تیسری مجلس اہل ایمان کے عذاب کی نوعیت	۱۷
چوتھی مجلس جسد و روح	۲۲
پانچویں مجلس انواع انسانی اور ہر ایک کی حیثیت	۲۴
حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امتِ دعوت بھی دوسری امتوں سے بہتر ہے	۲۶

مجالس مولانا روم قدس سرہٗ

عرض ناشر

النبی الخاتم، الدین القیم، اسلامی معاشیات، تدوین حدیث، تدوین قرآن، ہزار سال پہلے، اسلامی نظام تعلیم وتربیت جیسی عظیم کتابوں کے عظیم مصنف حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رح سے کون پڑھا لکھا واقف نہیں ہے، مولانا کا شمار دیوبند کے ان نامی گرامی علماء میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے علم وعمل کے چراغ جلا کر اندھیروں میں اجالے پھیلائے ہیں، اور ہزاروں بھٹکے ہوؤں کو صحیح راہ دکھلائی ہے ۔ ان کی تحریریں علم کا بہتا ہوا سمندر ہیں، صرف وہی لوگ اس بحر ناپیدا کنار کو عبور کر سکتے ہیں جنہیں اللہ نے ذہن رسا عطا کیا ہو انکی تحریروں میں علم کی آب وتاب کے علاوہ زبان وبیان کی حلاوت اور لذت بھی ہے مولانا کی متعدد کتابیں بازار میں موجود ہیں آج ہم ایک نئی کتاب لے کر حاضر ہوئے ہیں ۔

مجالس الشیخین کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، ان کا ایک مقالہ ہے، جو کبھی کسی رسالے میں شائع ہوا تھا، اور اہل علم اسے بھول گئے تھے، اتفاق سے یہ مقالہ ہمیں ملا تو اپنے موضوع کی ندرت اور اسلوب کے حسن وجمال کی بنا پر بے حد پسند آیا، اس لئے ہم نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ بخل سے کام لیا جائے، اور اپنے قارئین کو اس لذت میں شریک نہ رکھا جائے جو ہم نے حاصل کی ہے ۔

حضرت مولانا گیلانی جب حیدر آباد کی علمی مجلسوں اور دینی ماحول سے الگ ہو کر ایک قصبہ میں "جہاں شریف مسلمانوں کے صرف دو گھر آباد تھے"، جا بیٹھے تو وہاں دو بزرگوں کی معنوی صحبت سے زیادہ تر انس و تسکین پاتے رہے۔ ایک مولانا رومی دوسرے شیخ اکبر قدس سرہما ان عارفین کی کتابوں کو اپنے "دل کے چین" کے لئے بار بار دیکھتے رہے، پھر جو کچھ ہوا اس کو خود مولانا ہی کی زبان میں سنئے۔

"جیسا کہ عرض کر چکا ہوں محض ذاتی تسکین و تشفی کے لئے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور حضرت مولانا معنوی کے افادات کو مذکورہ بالا عنوان کے تحت فقیر نے قلم بند کرنا شروع کیا تھا جیسا نتیجۂ خیال میں یہ بات نہ تھی کہ اس قدر جلد شائع ہو جانے کی صورت بھی سامنے آجائے گی مگر حالات ایسے پیش آئے کہ نظر ثانی کئے بغیر دار العلوم کے لئے اس موضوع کو بھیجدینا پڑا۔ چھپنے کے بعد محسوس ہوا کہ دوسروں کو سمجھانے کا خیال لکھنے کے وقت غالباً نہ تھا اسی لئے بہت سی باتیں ادھوری اور مجمل شکل میں درج ہو گئی ہیں نیز بعض مواقع میں ایسی باتیں بھی درج ہو گئی ہیں جن سے ممکن ہے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ آئندہ کے لئے اب یہ ارادہ ہے کہ خود فہمی کے کے ساتھ دوسروں کے سمجھانے کا پہلو بھی انشاء اللہ پیش نظر رہے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ مجالس الشیخین کی ابتدا میں مسائل نسبتاً ادق ہیں اور آخر میں سہل، باقی لوگوں کو غلط فہمی کی جو خلش حضرت گیلانی کو تھی وہ اب عنوان کے قیام کے بعد امید ہے کہ رفع ہو گئی ہو گی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مؤلف قدس سرہ اور مرتب کی مساعی کو قبول و مشکور فرمائے ——— جاوید اختر فیضی

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحَمد للہ وَکفیٰ وَ الصَّلوٰۃ وَ السَّلامُ علیٰ عبَادہ الذینَ اصْطفیٰ

مدت سے خاکسار کا یہ دستور ہے کہ علاوہ قرآن مجید کے دل جب کبھی پریشان ہوتا ہے تو مثنوی معنوی یا فتوحات مکیہ ابن عربی کا مطالعہ بغیر کسی ترتیب کے شروع کر دیتا ہوں۔ کل سے یہ خیال ہو رہا ہے کہ دونوں بزرگوں کی حضوری میں جن باتوں سے دل متاثر ہوتا ہے ان کو روزانہ اپنے الفاظ میں قلمبند کر لیا کروں اور متفرق مطالعہ سے حاصل شدہ یہ چیزیں جب کافی مقدار میں جمع ہو جائیں تو انھیں کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے یا بالاقساط کسی ماہنامہ میں شائع کرا دیا جائے۔

"مجالس الشیخین"، یا "دل کا چین"

اپنی اس کتاب کا نام رکھتا ہوں، یہی نام اس وقت قلب میں بغیر کسی قصد و ارادے کے ڈالا گیا۔

"ان مجالس کی ترتیب کا مقصد"

زیادہ مقصود ان مجالس سے یہ ہے کہ آج کل تو خیر ایک گاؤں اور وہ بھی ایسے گاؤں میں آکر مقیم ہو گیا ہوں، جہاں شریف مسلمانوں کے صرف دو خاندان باقی رہ گئے ہیں ان کے سوا، عام ہنود اور عام طبقہ کے کچھ مسلمان ہیں ان سے کسی قسم کی ایمانی گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملتا نہ سننے نہ سنانے کا، اور حال یہ ہے کہ شہروں میں بھی اس قسم کی مجلسیں میسر نہیں آتیں، جہاں جائیے بس اخباروں کی خبروں کا تذکرہ۔ اور ان ہی خبروں سے نکالے ہوئے ناقص نتائج سے مسرت یا غم کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہے لیکن زندگی کے اس خواب کی تعبیر نہ کوئی جاننا چاہتا ہے نہ وہ خود سوچتے ہیں اور نہ دوسروں کی سننا چاہتے ہیں ایسی صورت میں چارۂ کار ہی اس کے سوا اور کیا ہے کہ گزرے ہوئے بزرگوں کی مجلسوں میں حاضری کی ایک صورت اس تدبیر سے نکل آئی ہے اللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ ان یرزقنی فوائدها ولا تحرمنی عن عوائدها۔

اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا میسر آسکتی ہے کہ حق تعالیٰ کے کلام پاک اور حق تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کے

سمجھنے اور سمجھنے کے مواقع اور اس نے اس کوردہ گاؤں میں مولانا معنوی اور شیخ اکبر کی برکات سے محض اپنے فضل و کرم سے مستفید ہونے کا موقع مہیا فرما دیا ہے۔ فالحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات۔

مناظر احسن
مارچ سنہ ۱۹۵۰ء
گیلانی (بہار)
"کہف الایمان"

مجالسِ شیخ اکبرؒ قدس سرہٗ

پہلی مجلس فلسفۂ مصیبت

(فتوحات ص۴۶۵ ج ۲) بعد نماز جمعہ تاریخ ۵/۳ ، افتوحات کی مجلس میں حاضری میسر آئی۔ ارشاد ہوا :۔

"جنت کی زندگی میں ہر لمحہ ہمارے حواس آگے ان کی لذتیں نت نئی شکل میں پیش ہوتی رہیں گی مگر خود دنیا میں بھی یہی حال ہے، لوگ چاہتے ہیں کہ امن کی حالت مسلسل باقی رہے، درمیان میں خوف نہ پیدا ہو حالاں کہ لذت تو آتی ہے جو خوف کے بعد ہو، بلکہ زندگی کے اس راز سے اگر لوگ واقف ہو جائیں کہ ہمارے سامنے ہر لمحہ نئی کیفیتیں پیش ہو رہی ہیں تو دنیا کی چیزوں سے اکتاہٹ کی کیفیت قلوب میں پیدا نہ ہو،

پھر فرمایا کہ :۔

"اس میں بھی دکھ والوں کے لئے رحمت ہے ان کو اگر محسوس کرا دیا جائے کہ جس دکھ میں وہ مبتلا ہیں ہر لمحہ اس میں تجدید ہوتی رہتی ہے تو مصیبت کا احساس ان میں زیادہ شدت پذیر ہو جائے گا۔

شیخ نے پھر فرمایا کہ :۔

"جہنم میں مگر دکھ سہنے والوں پر یہ راز کھول دیا جائے گا اور ہر آن

ان کو محسوس ہوگا کہ نئے عذاب اور نئے دکھ میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں

یہ بھی ارشاد ہوا :۔

"یقین کی آنکھ جن کی کھل گئی ہے اور اپنی اسی آنکھ سے وہ چیزوں کو دیکھ رہے ہیں یہی عارفین کا طبقہ ہے۔ ان پر زندگی کا یہی دنیاوی دور آخرت والے دور کی شکل اختیار کر لیتا ہے بظاہر وہ دنیا میں ہوتے ہیں لیکن حکماً آخرت میں ہیں اور گو مکان کے لحاظ سے دنیا میں ہیں مگر مکانۃً اور درجہ کے لحاظ سے آخرت میں ہیں۔

اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد ہوا :۔

فقر و غنا

"فقیر افضل ہے یا غنی ؟ یہ ایک مہمل سوال ہے، کیونکہ دونوں جامع ہی نہیں ہیں۔ غنا صرف رب العالمین کے لئے ہے اور فقر بندے کے لئے پس یہ سوال ایسا ہی ہے کہ کوئی پوچھے خدا افضل ہے یا بندہ

اور فرمایا :۔

سوال ہی استعدادِ فہم جواب کی دلیل ہے

علم کے متعلق سوال کرنے والوں سے جواب میں محض یہ کہنا کہ تمہاری سمجھ سے بات اونچی ہے، صحیح نہیں ہے سائل سوال کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس سوال کے جواب کے قبول کرنے کی صلاحیت اس میں نہ ہو، البتہ جواب مختلف سطح سے تعلق رکھتا ہے اب

یہ جواب دینے والے کی قابلیت پر موقوف ہے کہ وہ دیکھ سکے کہ سائل کی رسائی جواب کی کس سطح تک ممکن ہے۔ شیخ نے اس سلسلہ میں اس حدیث کو پیش کیا ہے کہ جب اعرابی نے پوچھا کہ جنت میں کپڑے بنے جائیں گے یا کیسے پیدا ہوں گے؟ صحابہ ہنس پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی اور اعرابی کو خبر دی کہ جنت کے درختوں میں ایسے پھل ہوں گے جن سے بنے بنائے کپڑے نکل آیا کریں گے۔

اسی سلسلہ میں شیخ نے

سورۂ والضحیٰ کی ان آیتوں کی طرف توجہ دلائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو منع کیا گیا کہ سائل کو نہ جھڑکیے۔ اس کا تعلق وَ وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى سے ہے۔ شیخ نے ضالاً کا ترجمہ متحیراً کیا ہے اور فاما الیتیم فلا تقھر کا تعلق الم یجدک یتیما سے بتایا ہے۔

دوسری مجلس مشاہدہ اور مکاشفہ کا فرق | ۵ر اپریل ۱۹۵۰ء شیخ اکبر کی مجلس

میں حاضری کی سعادت میسر آئی مگر آج ان کی باتیں بہت بلند تھیں۔ مشاہدہ اور مکاشفہ کے فرق کو بیان کر رہے تھے میری سمجھ

میں یہی آیا کہ حسی معلومات کے علمی تعلق کو وہ مشاہدہ کہتے ہیں اور محسوسات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے اسی کا نام انھوں نے مکاشفہ رکھا ہے، مثال بھی دی ہے کہ بات سنتے ہو۔ بات سمعی مشاہدہ کی چیز ہے لیکن بات سے جو چیز سمجھ میں آتی ہے وہ مکاشفہ ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ :-

مشاہدہ کا تعلق ہمیشہ محسوسات سے ہوتا ہے خواہ کسی حس سے ہو، لمسی، سمعی، بصری، شمی، ذوقی (یعنی ذائقہ) سے تعلق رکھنے والے تو مشاہدات رہے اور مکاشفہ کا تعلق ہمیشہ معانی سے ہوتا ہے۔

پھر آگے انھوں نے فرمایا کہ مکاشفہ والی چیز مشہودات کی امانت ہوتی ہے پھر ان تودوا الامانات الی اھلھا وغیرہ کی شرح فرمائی مگر کوئی خاص چیز جس کا تعلق دل سے ہو اس مجلس میں اپنی نارسائی کی وجہ سے میسر نہ آئی۔ ہاں دماغی فوائد حاصل ہوئے۔

تیسری مجلس اہل ایمان کے عذاب کی نوعیت | ۶ر اپریل ۱۹۵۰ء شیخ

کی مجلس فتوحات میں حاضر ہوا ارشاد ہو رہا تھا کہ اہل ایمان کے

عذاب کی نوعیت کیا ہے ؟ آپ کا جو عام طریقہ ہے تقریر اسی خصوصیت کے ساتھ شروع ہوئی۔ تمہیداً فرمایا گیا کہ یہ آدمی کی روح درحقیقت عاقل . بالغ . عارف . مومن بن کر پیدا ہوئی۔ "مومن" سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور توحید کا علم اس کو حاصل تھا قرآن میں فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا اور حدیث میں کل مولودٍ یولد علی الفطرۃ کا یہی مطلب ہے درمیان میں فَاَبَوَاہ والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے نکتہ کہتے چلے گئے ہیں کہ گو یتیم کا باپ نہیں ہوتا لیکن باپ کی جگہ جس کے بھی زیر پرورش ہوتا ہے وہی اس کا باپ ہوا پھر —— رنج میں مقداری وسعت نہیں اس پر شیخ نے بیان دیا اور وہی مشہور تقریر کی کہ امتداد کی صورت میں علم و جہل کا مختلف جز میں جمع ہو جانے کا احتمال پیدا ہوگا حالاں کہ بداہتہً آدمی پاتا ہے کہ معلوم معلوم ہے اور مجہول مجہول ۔ بہرحال اگر اپنی ذات کا شعور روح کو نہ ہو تو حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار وہ کیسے کر سکتی تھی ، پس آدمی کی اصل حقیقت اس کی روح ہی ہے پھر اس روح کو کسی بدن سے متعلق کر دیا جاتا ہے جس کے ساتھ روح کا استقرائی تعلق ہوتا ہے اور اس کی مِلک میں بدن بدن کے اعضاء دے دیئے جاتے ہیں اسی بدن میں کچھ قوتیں اور آلات بھی ودیعت کر دیئے

گئے ہیں جن میں بعض حسی اور بعض معنوی قوتیں ہیں ، روح کو پھر حکم دیا کہ ان ہی بدنی قویٰ کی راہ سے علم حاصل کرے اور ان قوتوں کو ان حدود کا پابند ہو کر استعمال کرے .

پھر ان آلات بدنی کے مختلف مراتب اور ان کی مختلف نوعیتیں ہیں معنوی قویٰ سب کامل و مکمل ہیں بجز ایک خیالی قوت کے کہ یہ غریب فطرتاً کمزور پیدا ہوئی ہے اور حسی قوتیں بھی کمزور ہیں ان دونوں یعنی خیالی اور حسی قوتوں کو جسم کا تابع بنا دیا گیا ۔ جسم جس حد تک بڑھے گا اور بڑا ہوگا ان قوتوں میں بھی اضافہ ہوگا اس سلسلہ میں خیالی قوت کی ہمہ گیری پر شیخ نے کچھ باتیں فرمائیں کہ سامعہ باصرہ الغرض ہر حاسہ سے معلومات کو لینے کی اس میں صلاحیت ہے اور ان معلومات پر قوت مفکرہ اور قوت واہمہ عمل کرتی ہے ۔

بہرحال شیخ نے فرمایا کہ روح ان قویٰ سے جو استفادہ میں تابع جسم کی نہ ہوتی تو پیدا ہونے کے ساتھ ہی ہر شخص مکلف ہو جاتا مگر جسم کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے تکلیف کے لئے عمر کی ایک مدت مقرر کر دی گئی ہے ۔ شیخ کے نزدیک سات سال کی عمر سے تکلیف کی مدت شروع ہو جاتی ہے اور قانونی مطالبات کے لئے

بلوغ کی شرط لگائی ہے مگر پھر بھی قتل جو بچپن میں ہوا ہو اس کو بلوغ کی حد تک قید کیا جاتا ہے اور ولاۃِ مقتول کے مطالبہ پر قتل کیا جاتا ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ بچپن کے خیر و شر کا نتیجہ بھی سامنے آتا ہے خیر کا پھل تو آخرت میں ملتا ہے اور شر کا صرف دنیا میں۔

اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ :-

ومن عذاب المؤمن ما سلط الله عليهم من اصحاب الاهواء والكفار من الاسر والعذاب والاسترقاق والقتل فى الدنيا كل هذا ايكفو لهفوات و زلات نفسية وحسية على قدر ما وقع منهم.

ایمان والوں کے عذاب ہی کی شکلیں ہیں کہ بدعقیدہ لوگوں اور اہل کفر کو ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے یعنی ان کے قیدی بنا دیئے جاتے ہیں دکھ ان کی طرف سے پہنچتا ہے غلام ان کے بنا دیئے جاتے ہیں اور ان کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں یعنی دنیا میں ان سزاؤں کے شکار ہوتے ہیں مگر یہ سب اہل ایمان کی یا وہ گوئیوں اور نفسانی و حسی

لغزشوں کی سزا ہوتی ہے۔

پھر شیخ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار جو کچھ کرتے ہیں وہ

الا لاجل ايمانهم

یعنی ایمان ہی کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں۔

آیت قرآنی

يخرجون الرسول و اياكم ان تومنوا بالله ربكم و ما نقموا منهم الا ان يومنوا بالله

نکالتے ہیں رسول اور تم کو اس وجہ سے کہ تم نے مانا ہے اللہ اپنے اپنے پوسنے والے کو نہ بدلہ لیا انھوں نے مگر اس بات کا کہ تم نے اللہ کو مانا ہے

یہی فرمایا کہ ومن يقتل مومنا متعمدا کا ایک مطلب یہی کہا گیا ہے کہ مومن کو ایمان کی وجہ سے جو قتل کرے گا اس کی سزا بیان کی گئی ہے۔

اى قصد قتله لايمانه (صلالہ ج ۲)

یعنی مومن کے ایمان کی وجہ سے جو قتل کرے

پس تین باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) بچپن کے اعمال بد کی سزا اسی زندگی میں مومن کو ملتی ہے

(۲) اور اہل ایمان کو بداعمالی کی سزا کفار سے مغلوبیت وتباہی وبربادی سے اسی دنیا میں پہنچتی ہے۔

(۳) مسلمانوں کو غیر مسلموں سے اجتماعی مصائب جو پہنچتے ہیں اس کی وجہ بھی ایمان ہوتا ہے۔

(چوتھی مجلس) جسد و روح

۵ رستمبر ۵۸ء آج شیخ اکبر کی مجلس میں حاضری کی برکت حاصل ہوئی

فرمار ہے تھے ہمارے اجسام کیا ہیں ہماری روحوں کے یہ تابوت اوران کی یہ قبریں ہیں، اور اسی لئے ان قبور نے روح کے مشاہدے سے آدمی کو محروم رکھا ہے مگر جب اس قبر کو چھوڑ کر روح جدا ہو جائے گی اور یہ جدائی انفصالی نہیں ہوتی بلکہ فنا کی جدائی ہوتی ہے پس جب اجساد کے مشاہدے سے روح فنا ہو جائے گی، یعنی توجہ اجساد کی طرف روح کی نہ رہے گی تو بینائی کی ذاتی صفت چوں کہ روح میں ہے اسی قوت سے وہ اپنی ذات کا مشاہدہ کرے گی اور اب اپنے نفس کی معرفت آدمی کو حاصل ہو گی تب اس سے اپنے رب کی معرفت کو روح پائے گی۔

شیخ نے فرمایا:۔

"پس اس وقت تو اپنی ذات اور رب کی ذات کا علم یقین ہے کہ اس علم یقین سے جسد کو چھوڑ کر آدمی یقین کی آنکھ سے اپنے آپ کو اور اپنے رب کو پائے گا۔ اسی کو "عین الیقین" کہتے ہیں پھر جب اپنی قبر میں آدمی واپس ہو جائے گا تو اس یقین کو حاصل کرے گا جس کا نام حق الیقین ہے۔ الحاصل علم الیقین سے عین الیقین کی طرف اور عین الیقین سے حق الیقین کی طرف آدمی منتقل ہو گا، جسد کو چھوڑنے کے بعد اپنی ضریح میں جب منتقل ہوتا ہے تو اس وقت "علم الیقین" کی طرف واپس نہ ہو گا" (ص ۵۱۲ ج ۳)

لطیفہ:۔ قیامت کے دن انسان کا "کالفراش المبثوث" ہونا اور پہاڑوں کا "کالعہن المنفوش" ہونا، اس سے لوگ دہشت ناک منظر کو اپنے اندر پیدا کرتے ہیں حالاں کہ رحمت الٰہیہ چوں کہ ہر چیز میں بکھری ہوئی ہے تو اسی رحمت کے ظہور کی شکل انبعاثِ[۱] انسانیت ہو گی اور سخت پہاڑ کا روئی کے گالے جیسا نرم ہو جانا اسی رحمت کے ظہور کا ایک رنگ ہے۔ جو حد سے زیادہ نرم ہے۔ (ص ۵۱۲)

---

[۱] انسانیت کا اٹھ کھڑا ہونا۔

(پانچویں مجلس) انواع انسانی اور ہر ایک کی حیثیت

آج شیخ محی الدین بن عربی کی مجلس میں حاضر ہوا شیخ حسب دستور کچھ فرما رہے تھے ان کی بہت سی باتیں جیساکہ قاعدہ ہے خود ان کے ہی مصلے تک محدود رہتی ہیں البتہ کچھ سمجھ میں آئیں، فرمارہے تھے۔ (۱) اجسام اور اجساد میں فرق ہے، جسم تو وہی ہے جسے سب جسم کہتے ہیں، خواہ رنگین ہو یا بے رنگ شفاف ہو، یا کثیف، لیکن جسد دراصل ان سانچوں کا نام ہے جن میں ارواح کا تمثل بحالتِ بیداری اور بحالتِ خواب ہوتا ہے۔ خواب میں آدمی اپنے آپ کو مختلف حالتوں میں پاتا ہے اور ان کو محسوس کرتا ہے کہ جسم ہیں حالاں کہ وہ جسم نہیں ہیں،

(۲) پھر نوع انسانی پر مجموعی حیثیت سے شیخ نے نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت تو وہی ہے جو کسی انسانی جسد کے ساتھ نفس ناطقہ کو ہوتی ہے اور دوسرے انبیاء کی حیثیت ان روحانی قوتوں کی سی ہے جو آدمی میں پائی جاتی ہیں، ان کے بعد اولیاء کا درجہ ہے جو ورثہ کہلاتے ہیں ان کی حیثیت وہی ہے جو حواس خمسہ کی جسد انسانی میں ہوتی ہے اور ان کے سوا دوسرے انسانی افراد کو سمجھو کہ حیوانی روح کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے

جسم کے نشو ونما کا تعلق ہے۔

(۳) اس وقت جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود نہیں ہیں یوں سمجھو کہ عالم پر نیند کی کیفیت طاری ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روپوشی کی وجہ سے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ عالم پر موت طاری ہوگئی ہے بلکہ نیند کی کیفیت طاری ہے، جیسے نیند میں آدمی کی روح کی جو حالت ہوتی ہے وہی حال اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، قیامت کے دن تک یہ نیند طاری رہے گی اور قیامت روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری کا نام ہے اور آپ کی ناسوتی پیدائش سے پہلے یوں سمجھنا چاہئے کہ عالم کی حیثیت اس بچے کی تھی جو ماں کے پیٹ میں پرورش پا رہا ہو پس قیامت میں روح عالم جب جاگ اٹھے گی، تو عالم اپنے سارے اعضاء کے ساتھ جاگ اٹھے گا جس میں اہل النار بھی ہوں گے پس وہ نہ زندہ ہوں گے نہ مردہ، اور ملائکہ کی مثال ان خیالی صورتوں کی ہے جنھیں اپنے خیال میں آدمی پاتا ہے اور یہی حال جن کا بھی ہے۔ (ص ۲۴۸ ج ۲)

حضور اکرم کی امت بھی دوسری امتوں سے بہتر ہے

کسی ضرورت سے کتاب

بند کرکے چلا گیا پھر آ کر کھولی مگر اب کے شیخ کو دوسری گفتگو میں مشغول پایا، فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رعل و ذکوان پر جب بد دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ کیوں؟ اسی (منع کرنے سے) سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی امت اجابت ہی نہیں بلکہ امت دعوت بھی دوسری امتوں سے بہتر ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ:۔

بجائے بد دعا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان یدعو لهم بالتوفیق والهدایت چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللهم اهد قومی فانهم لایعلمون کی دعا اسی لئے فرماتے تھے، شیخ نے کہا کہ

شرک کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت کے کفار ماخوذ تو ضرور ہوں گے اور جہنم میں بھی جائیں گے ولکن مواخذته ایاهم فیها لطف الهی لایستوی فیه مشرك غیر هذه الامة بمشرکها۔

(ترجمہ) لیکن اس کے مواخذہ میں بھی لطف الٰہی کا ایک پہلو یہ ہوگا کہ جہنم میں اس کے (امتِ دعوت) مشرک کی برابری غیر امت کے مشرک کو حاصل نہ ہو — (یعنی محمدی امت دعوت کے شرک کا عذاب نسبتاً ہلکا ہوگا)۔

آگے فرمایا کہ

اعرف ذلك اللطف و لااصرح به کما ذکر صلی الله علیه وسلم فیمن اصابتهم النار فی هذه لامة بذنوبهم الی من الامم ان الله یمیتهم فیها اماتته الحدیث کنتم خیر امة اخرجت للناس

المومن منهم بایمانه والکافر منهم بکفره هما خیر من کل مومن۔ من غیر هذه الامة وکافر (ص۶۷۹ ج ۳)

شیخ کے اپنے الفاظ اس سلسلہ میں یہ ہیں کہ

لما اشتد قیام فی الله وغیرته علی الحق فی قصة رعل و ذکوان وعصبة جعل یدعو علیهم فی کل صلوٰة شهرا و هو القنوت فاوحی الله تعالیٰ الیه فی ذلك لما علم من اجابة ایاه اذا دعاه فی امر فنهاه عن الدعاء علیهم ابقاء لهم و رحمة بهم فقال وما ارسلناك الا رحمة للعالمین ای لترحمهم الخ۔

چھٹویں مجلس (ترک اسباب بندہ کی حقیقت کے منافی اور حکم خداوندی کے خلاف ہے)

۲۲ دسمبر ۱۹۵۰ء جی چاہا کہ شیخ اکبر کی خدمت

میں بھی آج حاضری دیجئے۔ فرمارہے تھے:۔

بندہ مقید سے مطلق نہیں ہوسکتا۔ اور خالق مطلق ہے اپنی مرضی سے چاہے تو قیود اپنے اوپر عائد کرے کتب علی نفسہ الرحمۃ میں دیکھو کہ خود رحمت کو اپنی مرضی سے اس نے اوپر واجب کرلیا لیکن غریب مقید بندہ کی قید تو دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔ خود مطلق ہونا چاہے تو نہیں ہوسکتا اور اطلاق کے معنی یہ ہوں گے کہ خود غائب ہوجائے۔ اسی طرح ایفاء عہد کو بندے کے ایفائے عہد کے مقابلہ میں حق تعالیٰ نے خود مقید فرمایا ہے فرمایا اوفوا بعہدی اوف بعہدکم پس ذات حق تو مطلق ہے لیکن اس کے صفات میں تقید کا رنگ ہے۔ مالک مملوک کے بغیر، رب مربوب کے بغیر، الہ مالوہ کے بغیر ناقابل فہم ہے۔ یہ کہنا ہے کہ بندہ چوں کہ سبب سے اصل مقصود پیدا ہوا ہے اس لئے بغیر سبب کے وہ جی نہیں سکتا عالم کو اسباب کی زنجیر میں جکڑا ہوا جو پیدا کیا گیا ہے اسی لئے کہ بغیر سبب کے غریب انسان رہ نہیں سکتا خوشہ کھیتی میں کھیتی زمین اور بارش سے بندھی ہوئی ہے۔ استسقاء کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ منجملہ اسباب کے ایک سبب یہ بھی ہے اسی لئے اسباب سے ترک تعلق کا حکم نہیں دیا گیا کہ بندے کی حقیقت کے منافی

ہے۔ ہاں! ایک سبب کو چھوڑ کر دوسرے سبب کو اختیار کرسکتا ہے جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا "انا سببد فعلی لما اعتمد، و توکل" شیخ نے فرمایا کہ اسباب کا ثابت کرنے والا ہی آدمی ہے کیوں کہ اسباب سے قطع نظر کرنے والا اپنے رب کو کیسے پا سکتا ہے عرف نفسہ سے عرف ربہ کا نتیجہ سبب ہی کے تعلق پر تو مبنی ہے۔

بلکہ جن چیزوں کی پیدائش کا ذریعہ جن اسباب کو حق تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے ان سے قطع نظر کرکے اقدام کرنے والا شیخ نے فرمایا بڑا بے ادب ہے گویا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ "والی" سے سرتابی کرتا ہے ومن ترک ما قورہ الحق فھو منازع لا عبد و لا جاھل لا عالم وہ جو ترک اسباب پر گفتگو کرتے ہیں جو لکھا ہے کہ پیاس لگی تو پانی کی طرف دوڑتے نہیں، بھوک لگی تو روٹی کی طرف لپکتے نہیں بڑے محتاط ہوئے تو خود روٹی منہ میں نہیں ڈالتے بلکہ دوسرا ڈالتا ہے مگر چباتا خود ہی ہے پھر ترک اسباب کا ہذیان ہذیان کے سوا اور کیا رہا۔ کم از کم سانس لینے سے تو کوئی بچ نہیں سکتا یہ بھی تو سبب ہی ہوا کہ سانس نہ لے اور مرجائے تو خود کشی کا مجرم بن کر جہنم جائے اور یہ سارے اسباب ہی کے تو حصے (انواع) ہیں

کیا تارک اسباب عبادت ہی چھوڑ دیں؟ جوش میں فرمایا:۔
فقد القیت بک علی مدرجة الحق واثبت لک الطریق التی وضعها الله لعباده۔ (ص ۶۹ ج ۳)

(ساتویں مجلس) اسباب پر بھروسہ شرک خفی ہے! | ۲۶ رمضان ۱۹۵۰ء شیخ اکبر کی خدمت

میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی جو کچھ فرمارہے تھے اس میں بعض دلچسپ باتیں میسر آئیں۔ فرمایا:۔

(۱) حق تعالیٰ نے اسباب کو پیدا کیا جن کی حیثیت گویا حجاب کی ہے جس نے ان کو حجاب سمجھا وہ ان ہی اسباب کی راہ سے حق تک پہنچا اور جس نے ان ہی اسباب کو رب بنالیا وہ محروم ہوا، عربی کا فقرہ بڑا بلیغ تھا وھی (الاسباب) توصل الیه (الی اللہ تعالیٰ) کل من علیها حجابا، وھو لمقید عنه کل من اتخذ ھا اربابا۔

اور فرمایا کہ،

شرک خفی جانتے ہو کیا ہے؟ اسباب پر بھروسہ یعنی اسباب جب سامنے ہوں تو دل ٹھکانے رہے اور نہ ہوں تو گھبرا اٹھے۔

فرمانے لگے کہ

"مومن" کی یہ سب سے بڑی دینی مصیبت ہے قرآنی آیت

(وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون (سورۂ یوسف) کی تلاوت فرماتے ہوئے شیخ نے کہا کہ، باب الاشارہ سے کہتا ہوں کہ اس میں شرک خفی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ واللہ اعلم!

پھر تقریر کی کہ

مراد اس آیت میں اگر شرک سے شرک جلی ہو، تو ایمان کے ساتھ جمع کیسے ہو سکتا ہے کیوں کہ شرک جلی تو یہ ہے کہ غیر اللہ کو الٰہ بنانے میں خالق تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے۔

یہاں شیخ کے کلام میں کچھ گنجلک ہے (ص ۵۹۳ ج ۴ میں دیکھ لینا چاہئے) پھر حضرت معاذ رضی والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے بڑی دقیق بات فرمائی:۔

اس میں ارشاد ہوا ہے کہ "ان یعبدوہ ولا یشرکوا به شیئا"، شئی کا لفظ عام ہے اس لئے شرک خفی و جلی دونوں کو شامل ہوا، وعدہ جو کیا گیا ہے کہ اس کی جزا یہ ہے کہ اذا فعلوا ذلک ان لا یعذبھم شیخ نے کہا کہ

اسباب پر اعتماد اور اور بھروسہ کرنے والے اسی دنیا میں عذاب میں مبتلا رہتے ہیں بایں طور کہ اسباب جب تک سامنے رہتے ہیں تو اس تکلیف میں رہتے ہیں کہ اگر یہ غائب ہو گئے تو کیا ہوگا، اور جب غائب

ہوجاتے ہیں تو اس وقت کی اذیت ظاہر ہی ہے ۔

فرمایا کہ فہم معذبون علی — ہر حال میں دکھ اٹھاتے ہیں
کل حال فی وجود الاسباب — اسباب ہوں جب بھی نہ ہوں
و فقدھا ۔ — جب بھی ۔

مگر جس نے شرک سے دل کو پاک کرلیا اور اسباب میں سے کوئی سبب اس کے خیال میں حق تعالیٰ کا شریک باقی نہ رہا تو بخنت (مطمئن) ہوجاتا ہے، اس لئے کہ اسباب کا وجود اور عدم دونوں اس کے لئے برابر ہوجاتے ہیں کیوں کہ اس کا بھروسہ جس پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جس کی صفت ہی یہ ہے کہ جہاں سے سان وگمان بھی نہ ہو وہاں سے چیزوں کو سامنے لائے وھو اللہ قادر علی ایتان امور من حیث لا یحتسبون قرآن کی آیت بھی ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب ۔

تقویٰ معلوم کرنے کی علامت

شیخ نے فرمایا کہ :-

"تقویٰ" کا تحقق آدمی میں ہوا ہے یا نہیں اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ روزی ایسی جگہ سے آنے لگے جہاں سے گمان بھی نہ ہوا۔ اور جب تک ان ہی راہوں سے روزی ملتی ہے جہاں سے گمان

[…] کا ہو تو ابھی "تقویٰ" کی علامت اس میں قائم نہیں ہوئی ہے ۔
شیخ نے اس کے بعد تنبیہ کی کہ

میرا مطلب یہ نہیں کہ اسباب کی راہ سے طلب و جستجو رزق کی لوگ ترک کردیں کیوں کہ اسباب تو حق تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں ۔ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون سے اعراض تو خود خدا سے سرکشی ہے (کسی مجلس کے مذاکرہ سے یہ نقل کر رہا ہوں) بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل کو دیکھے کہ اعتماد اور بھروسہ اس کا کس پر ہے اللہ پر ہے یا اسباب پر ہے ؟ یہ ایک ذہنی باطنی کیفیت ہے، ہر شخص اپنے باطن کے حال سے خود آگاہ ہے ۔

اسباب کے وجود و عدم کا برابر ہوجانا تکمیل ایمان کی نشانی ہے

شیخ نے فرمایا کہ :-

مجھے نیند آگئی خواب سے بیدار ہوا تو دو شعر جن سے پہلے میں ناواقف تھا زبان پر جاری پائے ۔

لاتعتمد الا علی اللہ — فکل امر بید اللہ
وھذہ الاسباب حجابہ — فلا تکن الا مع اللہ

بہرحال دل کو ٹٹولو اگر اسباب پر اس کا بھروسہ پاتے ہو تو اپنے ایمان کو چاہیے کہ متہم کرو اور سمجھ لو کہ تم وہ آدمی نہیں اور

اگر اسباب کا وجود و عدم تمہارے دل کے سامنے برابر ہوگیا تو میں
بشارت دیتا ہوں کہ ایسا مومن جو کسی کو اللہ کے ساتھ شریک
نہیں کرتا وہ تم اب ہو گئے ہو۔ یعنی وما یؤمن اکثرھم باللہ الا
وھم مشرکون والے زمرہ سے تم خارج ہو گئے ہو اور بجائے اکثریت
کے اقلیت میں آ گئے ہو اس کے بعد اگر رزق لا یحتسب تمہارے
سامنے آنے لگے تو مبارک ہو کہ تم "متقین" کی جماعت میں داخل ہو گئے!
لطیف نکتہ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ عادی اسباب کی راہ سے بھی
روزی اگر مل رہی ہو مگر دل میں یہ احساس ہو کہ یہ روزی ان اسباب
سے مجھے نہیں ملتی، تو تم نے سمجھا کہ یہ روزی کیا ہو گئی؟ جہاں سے گمان
ملنے کا تھا وہاں سے نہیں مل رہی ہے پس تم عادی اسباب سے روزی
پاتے ہوئے اپنی اس قلبی کیفیت کی وجہ سے متقی باقی رہے۔ شیخ نے
اس موقع پر "تقویٰ" کا ایک نیا مطلب اپنے مذاق کے مطابق
بیان کیا کہ "اسباب پر اعتماد قائم ہو" حق تعالیٰ متقی کے قلب کو
اس غلط اعتماد سے بچا لیتے ہیں یعنی وقایہ کرتے ہیں، وہ تقویٰ
کا مادہ ہے (ص۵۹ ج ۴)

شیخ کے بیان سے ذہن منتقل ہوا کہ وما یؤمن اکثرھم
باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کو خالق ماننے والوں میں بہت سے لوگ

مشرک رہ جاتے ہیں یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ واحد ماننے والے بھی
مشرک ہوتے ہیں فرخ الاختلاج)

(آٹھویں مجلس) قرآن کی جسمانی صورت کا نام محمد بن عبد اللہ ہے

۶ نومبر ۱۹۵۵ء شیخ اکبر کی مجلس سعید میں مدت کے بعد آج حاضری سے
بہرہ اندوز ہوا فرما رہے تھے قرآن میں ارشاد ہوا ہے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اِنَّكَ لَعَلٰى
خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور حضرت عائشہ والی روایت میں ہے کان خلقہ
القرآن (رسول اللہ کا خلق قرآن تھا) دونوں جگہ بجائے اخلاق
کے "خلق" کا مفرد لفظ اسی لئے استعمال کیا ہے کہ تمام مکارم اخلاق
کی جامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تھی پھر دیکھو
قرآن کی صفت بھی "عظیم" قرآن ہی میں بیان کی گئی ہے اور رسول
اللہ کے خُلق کی صفت بھی "عظیم" ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ "قرآن
رسول اللہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ہیں"
شیخ کے الفاظ تھے:۔

فلا فرق بین النظر الیہ (قرآن) وبین النظر الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی قرآن کا دیکھنا اور رسول اللہ کا

دیکھنا ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے ،

فرمایا کہ :۔

قرآن کو جسمانی صورت عطا کی گئی اسی کا نام محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہے۔

فرمانے لگے کہ :۔

قرآن کلام اللہ اور کلام اللہ ، اللہ کی صفت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی صفت ٹھہرے اسی لئے تو قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اور یہ کہ ماینطق عن الھوٰی ۔

پھر درمیان میں کچھ آیت قرآنی ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا کے متعلق بعض اشارے شیخ نے کئے ہیں جن کا ذکر بعد کو کروں گا اس جملہ معترضہ کے بعد شیخ نے کہا ۔

قرآن جب تک موجود ہے رسول اللہ موجود ہیں

قرآن جب تک موجود ہے

اس وقت تک یہ خیال غلط ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے روپوش ہو گئے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ آپ کی وارث ،، امت ،، میں قرآن کو جو اپنا ،، خلق ،، جس حد تک بنا رہا ہے گویا اس

کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر سے مبعوث ہوئے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ رہنا یہی ہے کہ آپ کی سنت زندہ کی جائے اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کیا اس نے ساری انسانیت کو زندہ کیا کیوں کہ انسانیتِ کاملہ کی مظہر اتم آپ ہی کی ذات مبارک ہے فانہ مجموع الاتم وامیز ناصح الاکمل

قرآن میں رات کے ناشئۃ کے متعلق جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ،، قیل ،، یعنی گفتگو کے لحاظ سے وہ ،، اقوم ،، ہے تو قرآن سے زیادہ مستحکم شے اور کیا ہو سکتی ہے اور " وطاء ،، کے معنی اگر " تمہید ،، ہو تو قرآن ظاہر ہے جو جامع الکتب ہے ساری آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور ان کے آخری ایڈیشن ہی کا نام تو قرآن ہے اور وطاء کے معنی اگر ثبات کے ہوں تو قرآن سے زیادہ ثابت و برقرار رہنے والی چیز اور کیا ہو سکتی ہے کیوں کہ ساری کتابیں آسمانی اس سے منسوخ ہوئیں اور وہ منسوخ نہ ہوا نیز جو کچھ آسمانی کتابوں میں تھا قرآن میں وہ بھی ہے اور جو ان کتابوں میں نہ تھا وہ بھی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ سارے کمالات تھے جو تمام پیغمبروں کو عطا کئے گئے ۔ اور ایسے کمالات بھی موجود ہیں جو دوسروں میں نہ تھے اور یہی حال آپ کی امت کا

بھی ہے کہ ساری امتوں کو جو کچھ ملا وہ بھی ان کو ملا اور جس سے دوسری امتیں محروم ہیں امت محمدیہؐ اس سے بھی سرفراز ہوئی ۔

نماز میں شہود حق تعؐ کا طریقہ

شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز میں شہود حق تعالیٰ کی کوشش بمعاونت حق کی جاتی ہے بندہ عمل کا ڈھانچہ اور قالب تیار کرتا ہے اور شہود حق سے اس قالب میں روح پیدا ہوتی ہے ایاک نستعین کا ایک مطلب یہ بھی ہے ۔

یہ بھی فرمایا کہ حیات جو معفنات (سڑنے گلنے والی چیزوں) میں طبیعت پیدا کرتی ہے تو صرف احساس کا ظہور اس حیات سے ہوتا ہے لیکن جس حیات سے عملی صنائع کی قوت پیدا ہو یہ الٰہی روح ہے ایک نکتہ یہ بھی ارشاد ہوا کہ نماز میں بندے کے سامنے نہ اپنی ذات رہنی چاہیئے اور نہ اس کا خیال کہ خدا نے اپنی صفات پر اس کو پیدا کیا ہے کہ اسی خیال سے "کبریائی" کا جذبہ آدمی میں ابھرتا ہے

دنویں مجلس، محسنین کا اجر ضائع نہ ہونے کی توضیح

۱۳ ارنومبر ۱۹۵۰ء شیخ ابن عربی کی مجلس اقدس میں حضور کا شرف حاصل ہوا قرآنی آیت ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین کے متعلق فرما رہے تھے اور خاص حال

میں فرما رہے تھے ساری گفتگو کا احاطہ دشوار ہے تاہم اپنی سمجھ میں جو بات آئی وہ یہی تھی کہ عمل کا احسان جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ ہے کہ عمل کے وقت حق تعالیٰ کے حضور کا احساس بندے میں پایا جائے خواہ یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے یا وہی گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے ۔

شیخ نے فرمایا کہ بندے کی حیثیت سمجھو کہ مادہ اور ہیولیٰ جیسی ہے گویا وہ مٹی ہے اور عمل کی حیثیت صورت کی ہے مثلاً مٹی کو پرندے کی شکل عطا کی جائے اور حضور احسانی کی حیثیت روح کی ہے یعنی مٹی سے بنے ہوئے پرندے میں روح پھونک دی گئی جیسا اس شکل میں عمل کا صدور بندے سے ہوتا ہے تو اب یہ جیتی جاگتی "شے" بن جاتی ہے اور قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے عمل کا اجر ضائع نہیں ہوتا یعنی ہمیشہ باقی رہتا ہے ۔

شیخ نے کہا کہ یہ زندہ جیتا جاگتا عمل ہمیشہ عامل کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے ۔ آگے شیخ نے کہا کہ من عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض اس کے متعلق بھی "لا یضیع" کی اطلاع دی گئی ہے پس معلوم ہوا کہ "روح" یعنی احسان کے بغیر بھی حق تعالیٰ عامل کے عمل کو باقی رکھتے ہیں خواہ

اچھا عمل ہو یا برا اسی لئے جب تائب توبہ کرتا ہے تو اس کے سیئات
اور برے اعمال کو حسنات کا قالب عطا کر دیا جاتا ہے ۔

کل ما سوی اللہ حق تعالیٰ کا عرش ہے

ابھی یہ تقریر مکمل نہیں ہوئی تھی کہ کسی ضرورت
سے کتاب بند کرنی پڑی صفحہ بھی یاد نہ رہا مجبوراً دوسری جگہ سے
مضمون لینا پڑا دیکھو ص۲۱۲ ج ۴۔ عرش پر گفتگو ہو رہی تھی فرمایا
کہ ہمارے شیخ المغربی قرآنی آیت الرحمٰن علی العرش
استویٰ کی تلاوت کرتے ہوئے "العرش" کے لفظ پر ٹھہر جاتے
اور استویٰ لہ ما فی السماوات وما فی الارض وما بینھما
وما تحت الثریٰ کی تلاوت اس کے بعد کرتے، کہا کرتے تھے
کہ حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے کل ما سوی اللہ حق تعالیٰ کا عرش
ہے بکل شئ محیط کا مطلب بھی یہی ہے، ہر شے پر وہ مستوی
ہے اور شان احاطت و علوِ حقیقی اسی کی ذات غنی و حمید کو
ثابت ہے ۔

اپنی بڑائی کا خیال بھی مہلک ہے

شیخ نے فرمایا کہ جن لوگوں کے قلوب میں علو کی جھلک
پائی گئی اس کا منشا حق تعالیٰ کا بھی ذاتی علو ہے ۔ مثلاً ان فرعون

علا فی الارض یا تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون
علوا فی الارض ولا فسادا سمجھنے کی بات یہ ہے کہ علو نہیں بلکہ علو کا
ارادہ بھی دار الاخرۃ کی عیشۃ راضیۃ سے آدمی کو محروم کر دیتا ہے خواہ
اس ارادے کو چاہنے والوں کو کامیابی حاصل ہو یا نہ ہو پس نتیجہ یہ ہوا
کہ بندوں کا کام یہ ہے کہ وہ اس واقعہ کا احساس اپنے اندر زندہ
رکھے کہ وہ عبدیت اور بندگی کے مقام پر ہے ۔ علو میں اس کا کوئی
حصہ نہیں ہے جو اس احساس کو اپنے اندر بیدار رکھے گا، دوسری
زندگی میں اس کو علو کا مرتبہ عطا کیا جائے گا ۔

(دسویں مجلس) "تحقیق کرامت"

۹ر جنوری ۱۹۵۱ء بہت دنوں کے بعد شیخ اکبر کی مجلس کا خیال آیا،
حاضری آسمان کی گئی کرامت پر گفتگو فرما رہے تھے ۔ ذکر یہ تھا کہ
اولیاء کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن سے کرامتیں ظاہر نہیں ہوتیں
جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں بعض تو ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ
مرتبہ حق تعالیٰ کے ہاں ان کا گو بلند ہوتا ہے مگر خرق عوائد کی
قدرت ان کو عطا نہیں ہوتی اور ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں
جنھیں قدرت تو اس کی مل جاتی ہے لیکن اظہار نہیں کرتے،
پھر فرمانے لگے ابو السعود بن شبلی انہی بزرگوں میں تھے خود

فرماتے تھے کہ ایک سال سے یہ قوت مجھے عطا ہوئی ہے مگر اس کو استعمال نہیں کرتا۔ ابن شبلی کا بیان تھا کہ میری طرف سے حق تعالیٰ سب کچھ کرتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر آپ کا کام کیا رہ گیا ہے تو بولے صرف دو کام پنج وقتہ نماز اور موت کا انتظار مثال ہماری اس مرغی کی ہے جس کا منہ دانے چگنے میں لگا ہوا ہے اور ٹانگ چلنے میں

شیخ نے پھر اپنا حال بیان کیا کہ ان سطروں کو جب میں قلم بند کر رہا تھا تو دل میں آواز آئی حق نے سر میں خطاب کیا مجھے جس نے وکیل بنا لیا اس نے اپنے معاملات کے انصرام پر مقرر کیا پس اس کو حق ہے کہ مجھ سے دریافت کرے اور میرا کام ہے کہ حساب اس کو سمجھاؤں۔

شیخ نے کہا کہ بات ہی الٹ جاتی ہے اور مراتب معکوس ہو جاتے ہیں جن بندوں کو اللہ تعالیٰ چن لیتے ہیں ان کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں۔ شیخ نے اسی موقع پر ایک فلسفی کا قصہ جو ان کے سامنے گزرا تھا بیان کیا کہ نبوت و معجزات کا منکر تھا، نار ابراہیم کی تاویل غضب نمرود سے کرتا تھا ایک صاحب بیٹھے تھے انگیٹھی رکھی تھی، موسم سرد تھا انگیٹھی سے انگارہ نکال کر فلسفی کے کپڑے پر ڈال دیا اور فلسفی انگارے کو الٹتا پلٹتا رہا، ہاتھ

نہ جلا پھر انگارے کو انگیٹھی میں ڈال دیا۔ اور کہا کہ اب نکالو، ہاتھ فلسفی کا جلنے لگا۔ تب بولے کہ دیکھا تم نے آگ خود کچھ نہیں کرتی بلکہ حکم کی تابع ہے۔

اسی مجلس میں شیخ نے فرمایا کہ الحلاج وغیرہ پر جن علماء نے فتویٰ دیا تھا وہ ماجور تھے اور یہ بھی کہا کہ تکلیفی عقل جب تک باقی ہے شریعت کے قانون سے کوئی مستثنیٰ نہیں رہ سکتا۔ اگر شخصی معاملہ کسی کے ساتھ کیا گیا بھی ہو۔ جیسے اہل بدر کے ساتھ کیا گیا تو اس کا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہوگا دنیا میں تو شریعت کا قانون سب پر نافذ ہوگا۔ (ص ۴۶ ج ۲)

تحقیق "تفکر"

ضرورت سے کتاب اس مقام پر بند کرنی پڑی شیخ نے "فکر" پر دلچسپ تقریر کی ایک چیز سے پار ہو کر دوسری چیز تک پہنچنا شیخ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہی فکر کا مطلب ہے صنف بشری کی اس کو خصوصیت شیخ نے قرار دیا ہے

فرمانے لگے کہ موجودات میں غور و فکر اس لئے کرنا کہ خود وہ کیا ہیں، یا کن حقائق پر مشتمل ہیں آدمی اس کا مکلف نہیں ہے بلکہ کس چیز پر وہ دلالت کر رہے ہیں اور ان سے راہ نمائی کس مسئلہ کی طرف ہوتی ہے موجودات کے متعلق یہی فکر مطلوب ہے

پھر قرآنی آیت یتفکرون فی خلق السمٰوات کو پیش کر کے فرمایا کہ "سمٰوات دارض"، کی آفرینش فکر کرنے والوں کو اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ جس کا علم ان کو پہلے سے نہ تھا۔ قرآن میں اسی کو ان کی زبان سے ادا کرایا گیا ہے۔ یعنی "ھذا باطلا"، (بے نتیجہ اے پروردگار تو نے اس کو نہیں پیدا کیا ہے) پھر یہی فکر شیخ فرماتے ہیں ان کے مشاہدے کے سامنے جہنم کو لے آئی اسی لئے "فقنا عذاب النار" سے پناہ چاہی گئی۔

دگیارہویں مجلس) تحقیق "منزل" و "منزلت" | ۲۹ر فروری ۱۹۵۱ء

شیخ محی الدین ابن عربی کی مجلس اُنس و معرفت کا خیال آیا۔ حاضر ہوا آج "منزل" اور "منزلت"، مکان اور مکانت کے فرق کو بیان کرتے ہوئے شیخ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض عرفان انگیز باتیں سنائیں منزل اور مکان سے مراد شیخ نے فرمایا کہ حسی مقام ہے۔ اور معنوی مدارج کی تعبیر، شیخ نے کہا کہ میں منزلت اور مکانت کے الفاظ سے کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسی مقامات جن کا آخرت میں مشاہدہ کرایا جائے گا آنکھوں سے لوگ ان کو دیکھیں گے، شیخ نے فرمایا کہ دوسرے عالم میں یہ وہی مقامات ہیں جو حق تعالیٰ کے بساط قرب اور مقعد صدق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا جائے گا اور زور عام

یعنی حق تعالیٰ اپنی زیارت جس بڑے دن کرائیں گے اس تجلی کے موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام کا معائنہ دیکھنے والوں کو کرایا جائے گا، رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت یعنی آپ کا معنوی مرتبہ شیخ نے فرمایا اس کے ظہور کا محل علم ہے۔ جب تک خود حق تعالیٰ ہی اس سے لوگوں کو واقف نہ کریں کوئی آپ کے معنوی مرتبہ کو جان نہیں سکتا۔

مقامِ محمود | شیخ نے اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ "مقام محمود" بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام ہے فرشتوں اور فرشتوں کے سوا گناہ گار بندوں کے لئے شفاعت کی اجازت جن لوگوں کو دی جائے گی ان ہی کی شفاعت کے دروازے کی تعبیر "مقام محمود" کے لفظ سے کی گئی ہے سب سے پہلے اس دروازے کو رسول اللہ کھولیں گے اسی لئے یہ آپ ہی کا مقام خاص ہے آپ کے طفیل میں دوسروں کو بھی موقعہ شفاعت ملے گا۔

مقامِ الوسیلہ | پھر اسی طرح "الوسیلہ"، بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ایک مقام کا نام ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جس سے اوپر کوئی جگہ کسی کے لئے نہیں ہے

اسی کے ساتھ کہنے لگے کہ یہ "الوسیلۃ" کا مقام عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت کے سوال اور طلب پر عطا کیا جائے گا یعنی امت پر سعادت کی جو راہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کھلیں اس احسان کے زیر اثر امت حق تعالیٰ سے طلب کرتی ہے[1] کہ اس کے پیغمبر کو "الوسیلہ" کا مقام عطا فرمایا جائے گو یا امتنان و تشکر کی ایک عملی شکل ہے جو امت کی طرف سے پیش ہوگی۔

تشکلِ اعمال

پھر شیخ ایک دلچسپ بیان میں مشغول ہوئے واللہ اعلم بالصواب اپنے کشف سے یہ باتیں کر رہے تھے یا قرآن وحدیث کے کلیات سے ان نتیجوں کو انھوں نے پیدا کیا تھا بہرحال یہ فرماتے تھے کہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد ایک دلچسپ تماشا پیش ہوگا یعنی سارے اختیاری اعمال و افعال خواہ نیکو کاروں کے ہوں، یا بدکاروں کے، دیکھا جائے گا کہ انھوں نے جسدی قالب اختیار کرلیا ہے اور جن سے یہ اعمال صادر ہوئے ہیں ان کو وہ اچھی طرح جانیں گے اور پہچانیں گے بھی، اعمال و افعال کے جسدی قالب میں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا تقاضا پیدا

---

[1] اذان کے بعد کی دعا میں ہم حق تعالیٰ سے عرض کرتے رہتے ہیں۔

اللھم آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودا۔	اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الوسیلہ اور الفضیلہ عطا فرما اور "مقام محمود" پر مبعوث فرما۔

ہوگا کہ جن لوگوں سے وہ صادر ہوئے ہیں ان کو تلاش کریں اور جستجو و تلاش کے اس تقاضے کی تکمیل میں بڑی سرگرمی ان سے ظاہر ہوگی پھر نیکوکاروں کے اعمال و افعال کے جسدی قالبوں کو دیکھا جائے گا کہ ان کے داہنی طرف ایک راستہ کھلا ہوا ہے اسی راستہ پر وہ چل پڑیں گے چلتے ہوئے وہ ان لوگوں تک پہنچ جائیں گے جن سے وہ صادر ہوئے تھے جن سے جو عمل اور فعل صادر ہوا ہے، ان کو ان کا فعل و عمل پہچان لے گا، اور ان کے سامنے ظاہر ہو جائے گا تب عمل کرنے والے ان پر سوار ہو جائیں گے جو رحمتِ حق کے مرکز تک اپنے عمل کرنے والوں کو پہنچا دے گا۔

شیخ نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ نظارہ بدکاروں اور ان کے اعمال و افعال کا ہوگا جسدی قالب اختیار کرنے کے بعد بدکاروں کے یہی اعمال و افعال اپنے آگے بجائے کسی ایک راستہ کے طرح طرح کی گلیوں اور کوچوں کو پائیں گے جن میں بعض بعض سے پھوٹ کر مختلف سمتوں کی طرف دکھائی دیں گے کہ وہ چلے گئے ہیں، اعمال و افعال کے ان جسدی قالبوں کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ کس راستہ کو دھریں اور کدھر جائیں تاکہ جن سے وہ صادر ہوئے ہیں ان تک پہنچ جائیں۔ شیخ نے فرمایا کہ راستوں کی یہ گوناگوں اور ان کی پیچیدگیوں

کا مطلب تم نے سمجھا کیا ہے ؟ خود کہنے لگے کہ یہ حق تعالیٰ کی شانِ رحمت کے ظہور کی ایک شکل ہو گی جن سے بدکار اور شقی بھی محروم نہیں ہیں ۔ بہرحال جب پتہ نہ چلے گا کہ کدھر جائیں اور کس گلی کو چلنے کے لئے اختیار کریں تب اعمال و افعال کے یہی جبدی قالب حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے ۔ دعا اور ذکر میں مشغول ہونے کے بعد پھر ان ہی گلیوں میں وہ پھیل جائیں گے پھر جن سے ان اعمال و افعال کا صدور رہوا ۔ بعض تو ان میں ایسے ہوں گے کہ ان کے پانے ہیں ان کے اعمال و افعال کے جبدی قالب کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور بعض بھٹکے بھٹکا ویے ان لوگوں تک پہنچ جائیں گے جن سے وہ صادر ہوئے تھے ان کو وہ پہچان لیں گے یہ ملاقات ان کی بالکل اتفاقی اور اچانک ہو گی ۔ دیکھنے کے ساتھ ہی لپٹ پڑیں گے اور جن سے وہ صادر ہوئے ہیں ان سے کہیں گے تمہاری جستجو میں ہم بہت پریشان و حیران ہوئے تم نے تو ہمیں تھکا تھکا مارا اور کہیں گے تو لو اب جھکو اپنی پیٹھ پر ہمیں سوار کر لو ۔ وہ سوار ہو جائیں گے اور بالآخر اللہ کی رحمت سے ان کا بھی کبھی نہ کبھی ٹھکانہ[1] بن کر ہی رہے گا ۔

---

[1] شیخ کا مشہور مذہب ہے کہ جہنمی جہنم میں رہتے ہوئے بالآخر ایک ایسے حال (بقیہ ص۴۹ پر)

جیسا کہ دستور ہے اس کے بعد شیخ نے ذرا زیادہ بلند گفتگو شروع کی جب تک صوفیہ کی علمی اصطلاحوں سے صحیح واقفیت نہ ہو اس کا سمجھنا دشوار ہے اس لئے اس حصہ کو ترک کر کے جب سادہ گفتگو شیخ نے شروع کی اسی کو قلم بند کرتا ہوں ۔ اس خاص گفتگو کے بعد فرمانے لگے کہ

سیادت رسول اکرمؐ

ہاں ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام چوں کہ سیادت اور سرداری ہے یعنی آدمؑ کی ساری اولاد کے آپؐ سید و سردار ہیں اور سب آپ کے ماتحت اور پیچھے چلنے والوں میں ہیں تو اسی سے یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ۔ رعایا حاکم سے کیا مقابلہ کرے گی چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیادت اور پیشوائی و سرداری کا یہ اعزاز اسی زمانہ میں عطا فرمایا جا چکا تھا جب حضرت آدمؑ ابھی کیچڑ اور پانی یعنی "بین الماء والطین" تھے اسی سے یہ سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں جو بھی کسی قانون اور آئین کے ساتھ اٹھایا گیا خواہ

(ص۴۸ کا بقیہ) تک پہنچ جائیں گے کہ بجائے تکلیف کے جہنمی زندگی سے ان کو ایک قسم کی مناسبت پیدا ہو جائے گی گویا بجائے الیم کے آخر میں شیخ کے نزدیک جہنمی زندگی صرف "عذاب مبین" کی شکل بن کر رہ جائے گی یعنی ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے کی عادت ہو جائے گی ۔ بہرحال شیخ کے اسی خیال سے اس آخری فقرے کا تعلق ہے ۱۲ ۔

وہ قانون الٰہی ہو یعنی وحی پر اس کی بنیاد قائم ہو یا عقل و فکر کی راہ سے تیار ہوا ہو ہر ایک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے امداد ملتی رہی ہے۔ اور پہلا شخص جو اس امداد سے مستفید ہوا وہ خود حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خلیفہ بنائے گئے۔ حضرت آدمؑ کو اسماء کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصیت سے امداد فرمائی تھی جس کا اظہار "اوتیت جوامع الکلم،، (مجھے جوامع الکلم دیا گیا) کے الفاظ میں فرمایا تھا حضرت آدم کے بعد خلفاء کا سلسلہ جاری رہا۔ تاآنکہ وہ وقت بھی آگیا جو جسمانی قالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت تھا اور اس قالب میں ظہور کی ضرورت اس لئے ہوئی تاکہ آپ کا جو پیغام روحانی وجسمانی دونوں دائروں میں ہے وہ ظاہر ہو جائے۔

جب جسمانی قالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو گویا یوں سمجھو آفتاب نکل آیا۔ سارے ستاروں کی روشنی آفتاب کی روشنی کے سامنے ماند پڑ گئی بلکہ آفتاب ہی کی روشنی میں ان کی روشنیاں گویا کھپ گئیں اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ سے پہلے "شریعت،، کو جن لوگوں نے پیش کیا تھا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کی حیثیت سے پیش کیا تھا، اسی لئے جب وہ خود صاحب

شریعت تشریف لے آئے تو جس حکم کو چاہا رکھا جسے چاہا منسوخ کر دیا اور گو انسانی اور ناری (یعنی جنی) ہستیاں سب آپ ہی کی امت ہیں خواہ آپ سے پہلے پیدا ہوئی ہوں لیکن جسمانی قالب میں جن لوگوں کے اندر آپ ظاہر ہوئے ان کو ایک قسم کی خصوصیت امت ہونے میں حاصل ہوئی اور اسی خصوصیت کی بنیاد پر "خیر امت" وہ قرار پائے کیونکہ ان لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی وجسمانی دونوں بشارت کے لحاظ سے ظاہر ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی بشارت میں ظاہر ہونے سے پہلے آپ کی شریعت جن لوگوں نے نیابتاً پیش کی تھی ان کا جو مقام اور درجہ ہے یہی مقام اور یہی درجہ آپ کی اس امت کو حاصل ہوا جس میں جسمانی وروحانی دونوں بشارتوں کے لحاظ سے آپ ظاہر ہوئے، اجتہاد سے نتائج پیدا کر کے "شریعت" کی تفصیل وتشریح کا اختیار اس امت کے علماء کو جو دیا گیا ہے اس میں وہی رنگ "تشریع،، کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے پیغمبروں کی خصوصیت ہے۔

مجتہد کا نتیجۂ اجتہاد حق ہی ہوتا ہے

شیخ نے اس موقع پر ایک عجیب بات کہی کہ اجتہاد

کی شرعی اجازت علماء اسلام کو جب مل چکی ہے تو اپنے اجتہاد میں جن نتیجوں تک وہ پہنچیں گے اسی اجازت ہی کی بنیاد پر تو پہنچیں گے پھر ان کے غلط ہونے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے، بلکہ جس نتیجہ تک جو مجتہد بھی پہنچا ہے اس لئے حق ہے کہ حق کا مطلب ہی اس بنیاد پر ہے کہ اجازت یافتہ مجتہد اس نتیجہ تک پہنچا ہے رہا حدیثوں میں جو آیا ہے کہ مجتہد کبھی غلطی کرتا ہے تو اس غلطی کا تعلق ان نتیجوں سے ہے جن کے متعلق پیغمبر فیصلہ کر چکے ہوں اور مجتہد کو اس فیصلہ کی خبر نہ تھی۔ اس نے اجتہاد سے کام لیا اور اتفاقاً ایسے نتیجہ تک پہنچا جو اس کے فیصلہ کے خلاف تھا اور اسی کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ باوجود غلطی کے اجتہاد کا ثواب اس کو پھر بھی ملے گا[1]

[1] عام کتابوں میں اجتہادی نتائج کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ اختلاف کی صورت میں کوئی ایک ہی ان میں حق ہو سکتا ہے لیکن ارباب تحقیق کے نزدیک صحیح مسئلہ وہی ہے جو شیخ نے فرمایا، ہاں! خطا و صواب کے متعلق شیخ نے جو خیال ظاہر کیا ہے بعض علماء بجائے اس کے یہ کہتے ہیں کہ کسی واقعہ کی تحقیق مثلاً جس پر چوری کا دعویٰ کیا گیا وہ چور ہے یا نہیں اس حدیث کا تعلق اسی قسم کے مقدمات سے ہے جن میں دو اجر حاکم کو اس وقت ملیں گے جب چوری کی سزا اسی کو دی جو واقع
(بقیہ صـ۵۳ پر)

ہبوط آدم پاداش جرم نہیں

کام کی بات شیخ کی مجلس میں آج یہ بھی ہاتھ آئی، سلسلہ گفتگو میں حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر پر پہنچ کر فرمانے لگے کہ زمین میں ہبوط اور اترنے کا حکم ان کو جو دیا گیا تو یہ دیکھ کر کہ جرم کے ارتکاب کے بعد یہ حکم چونکہ ان کو دیا گیا تھا عموماً یہ خیال کر لیا گیا کہ یہ جرم کی سزا ان کو دی گئی۔ شیخ نے فرمایا کہ مگر میں پوچھتا ہوں کہ آدمؑ جن کی پیدائش مٹی سے ہوئی تھی مٹی ہی کے کرّے میں ان کا پہنچنا جلا وطنی کی سزا ہوئی۔ یا اپنے وطن کی طرف واپسی کی یہ شکل ہے؟ اور ہے بھی کچھ یہی بات آخر جرم کے متعلق جب قرآن ہی میں "فتاب علیہ" (یعنی خدا نے آدم کی توبہ قبول کی) کی خبر دی گئی بلکہ سورۂ طٰہٰ میں توبہ کے ساتھ "ثم اجتباہ ربہ" (چن لیا آدم کو خدا نے) کی اطلاع بھی موجود ہے۔ تو معاف شدہ جرم کی سزا کے معنیٰ کیا ہو سکتے ہیں؟ نیز قصور تو آدمؑ نے کیا تھا پھر ارضی زندگی اگر سزائی زندگی ہے تو ان کی اولاد بے چاری سے کب جرم سرزد ہوا تھا۔ جو اس ناکردہ جرم کی سزا بھگت رہی ہے

(صـ۵۲ کا بقیہ) میں چور تھا اور اجتہادی غلطی سے جو چور نہ تھا اگر فیصلہ اس کے چور ہونے کا حاکم دے تو ایک اجر کا مستحق ہوگا۔ ۱۲۔

شیخ نے فرمایا کہ آدم کا وطن زمین کا کرہ بنایا جائے گا۔ علاوہ اس بات کے کہ اسی زمین کی مٹی سے وہ پیدا ہوئے تھے یوں بھی "انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ" (میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں) کے الفاظ میں جس ارادہ کا اظہار حق تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے کیا تھا اس سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ زمین کی خلافت کسی جرم کا نتیجہ نہ تھی۔

(بارہویں مجلس) شیخ اکبرؒ کے چند اکابر | ۲ر شوال ۱۳۷۰ھ عید کی ملاقات کے لئے شیخ

اکبرؒ کی خدمت میں حاضری کی آرزو پیدا ہوئی۔ فرما رہے تھے۔

"میں اسپین (اندلس) کے شہر اشبیلیہ میں جب تھا تو وہاں چند خاص بزرگوں سے ملاقات ہوئی ایک ان میں ابویحییٰ صنہاجی تھے ظاہری بینائی سے محروم تھے۔ شہر میں زبیدی مسجد میں مقیم تھے ان کی خدمت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ ان کی وفات نہ ہوئی۔ وفات میرے سامنے ہوئی۔ شہر کے باہر پہاڑی پر ایک بلند جگہ تھی ان کے مدفن کے لئے اسی جگہ کا انتخاب کیا گیا۔ پہاڑی کی اس چوٹی پر ہمیشہ تند و تیز ہوا چلتی رہتی تھی لیکن ہم لوگ جب جنازہ لے کر پہنچے راستہ میں تو خاصی دشواری ہوئی اچڑھائی

کی وجہ سے بھی اور ہوا کی شدت کی وجہ سے بھی لیکن جوں ہی پہاڑ پر پہنچ کر لوگ قبر کھودنے میں مصروف ہوئے ہوا اچانک بند ہو گئی اس وقت تک بند رہی جب تک دفن سے ہم لوگ فارغ نہ ہوئے تھے ادھر فراغت سے ہم لوگ واپس ہونے لگے پھر وہی جھکڑ کا زور بندھا۔ لوگوں کو اس قدرتی کرشمہ پر تعجب ہوا۔

ان ہی لوگوں میں ایک صاحب صالح بربری بھی تھے اور ایک صاحب کا نام عبداللہ الشرقی تھا ایک اور بزرگ ابوالحجاج یوسف شبرلی تھے۔

صالح بربری شہر اشبیلہ کی مسجد الرّطند میں مقیم تھے۔ چالیس سال تک اسی مسجد میں ان کا قیام رہا۔

ابوعبداللہ الشرقی کا حال بھی عجیب تھا میں نے ان کے متعلق عجیب باتوں کا مشاہدہ کیا ایک مکان جس میں وہ رہتے تھے پچاس سال تک وہ اسی میں رہے لیکن اس عرصہ میں چراغ اس گھر میں کبھی نہ جلا۔

ابوالحجاج یوسف، اشبیلیہ ضلع کے مشرقی سمت کی ایک آبادی شبرلی میں رہتے تھے۔ یہ ان لوگوں میں تھے جو پانی پر چلتے تھے۔ روحوں سے ان کی ملاقات ہوتی تھی ان کی صحبت سے مستفید

ہونے کا موقع مجھے براہ راست میسر آیا۔

شیخ نے آج فرمایا کہ اپنی کتاب "الدرۃ الفاخرۃ" میں ان بزرگوں کا حال میں نے لکھا ہے۔ اس کتاب میں ان ہی بزرگوں کا تذکرہ میں نے کیا ہے جنھوں نے آخرت کی راہ مجھے دکھائی۔ یہ چاروں صاحب ان ہی بزرگوں میں تھے۔

شیخ نے فرمایا کہ قرآنی آیت "یدبر الامر، یفصل الأیات" (اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کو ٹھیک کر رہے ہیں اور نشانیوں کو کھولتے رہتے ہیں) ان بزرگوں کا تعلق اسی قرآنی آیت سے تھا۔

ہر ذرۂ کائنات "آیۃ اللہ" ہے

فرمانے لگے کہ آیات اور نشانیوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہیں جو کبھی کبھی عادت اور دستور عام کے برخلاف ظاہر ہوتی ہیں، عوام الناس صرف ان ہی کو "آیات" خیال کرتے ہیں، مگر جن بزرگوں کا میں نے ابھی ذکر کیا ان کے نزدیک آیات، قدرت کے ان ہی غیر معمولی مظاہر کا نام نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ بھی یہاں ہے سب ان کے نزدیک آیات اور نشانیاں ہی نشانیاں "فالعالم کلہ عند ھم الآیات"، (یعنی سارا عالم ان کے نزدیک (حق تعالیٰ) کے کھلے کھلے پتے اور نشانات ہیں) ورنہ عوام تو صرف غیر معمولی نشانیوں

ہی کو آیات اللہ قرار دئے ہوئے ہیں۔

شیخ نے فرمایا کہ عام آیات اور نشانیوں کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ ہر ایک کے لئے وہ آیات معین ہیں خود قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ان میں ان لوگوں کے لئے آیات ہیں جو عقل والے ہیں اسی طرح قرآن میں بعض نشانیوں کے متعلق فرمایا گیا کہ ان کو آیات وہی سمجھتے ہیں جو اولوالباب یعنی مغز والے ہیں بعض کے متعلق فرمایا گیا جو اولی النھیٰ ہیں، ان ہی کے لئے آیات ہیں۔

اسی طرح قرآن میں آیات للمومنین، آیات للعالمین، وغیرہ جو الفاظ ہیں ان فروق کو سمجھنا چاہئے لوگ اس نکتہ سے عموماً غافل ہیں مثلاً جہاں فرمایا گیا کہ عالمین کے لئے آیات ہیں اس سے مراد میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ہر وہ چیز ہے جو عالم کا مصداق بن سکتی ہے۔

(تیرہویں مجلس) ذات و صفات الٰہی کا ادراک ناممکن ہے

شیخ محی الدین ابن عربی کی مجلس فتوحات میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ فرمار ہے تھے کہ ذرا دیکھنا اس شخص کو جو عالم کی کسی معمولی سی چیز کی ذات کی تحقیق سے معذور ہے وہی حق سبحانہ کی ذات و

صفات کے متعلق عقلی تیر چلاتا ہے حالاں کہ اسی سے ذرا دریافت کرو کہ تمہارا بدن جو نظر آرہا ہے اس میں دیکھنے، ہنسنے، سونگھنے کی قوتوں کے ماسوا، کوئی مزید چیز بھی تمہارے اندر ہے جو ان صفات کا منشأ ہے کیا وہ جوہر ہے؟ عرض ہے؟ ایک ہے؟ چند ہے؟ شرط یہ رکھو کہ جواب عقلی دلائل کی روشنی میں دے۔ یقین مانو! کہ کسی پہلو کو عقلاً وہ متعین نہیں کرسکتا۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے یا معدوم ہوجاتی ہے محض عقل کے سہارے پر اس کا بھی قطعاً کوئی متعین جواب نہیں مل سکتا۔ شیخ نے فرمایا کہ اور باتیں بنانے والے اس سلسلہ میں عقلی باتیں جو بناتے ہیں سب قابل اعتراض ہیں۔ اور صحیح بنیاد کسی کی نہیں ہے۔ عربی کے الفاظ شیخ کے یہ تھے "کل ما اتخذ دلیلاً فی ذلک مدخول لایقوم علی ساق"

صحیح راہ محض اتباعِ شریعت ہے

شیخ نے فرمایا کہ صحیح طریقہ اس راہ میں یہی ہے کہ عقل سے مایوس ہو کر شریعت کا دامن تھام لیا جائے اور دانش مندی وہی ہے جو اپنے اوقات عزیز کو ان ہی باتوں میں صرف کرتا رہے جن کا مطالبہ اس سے کیا گیا ہے اور جن کی تعمیل وتکمیل کا وہ

ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ فرمایا:-

فان المدۃ یسیرۃ والانفاس نفائس وما مضی منہا لایعود — وقت بہت کم ہے اور ہر سانس جو چلی جارہی ہے قیمتی ہے جو گذر گئی پھر واپس نہ ہوگی۔ (ص۱ ج ۳)

پس (شریعت نے ہمیں جو کچھ بتایا ہے وہ یہی ہے) کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اِلٰہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔

ماہیت ذات الٰہی کا کھوج ایمانی راہ سے دوری ہے

پھر فرمایا اے اللہ کے دوست! کبھی اللہ تعالیٰ کی ماہیت یعنی وہ کیا ہے، اس کی کیفیت یعنی وہ کیسا ہے؟ اس کی کمیت یعنی وہ کتنا بڑا ہے، لمبا ہے چوڑا ہے؟ ان سوالوں کو ہرگز ہرگز اپنے دل میں نہ اٹھانا اگر ایسا کروگے تو جن باتوں کے ذمہ دار اور مکلف بنائے گئے ہو ان سے ہٹ جاؤگے اور چاہیئے کہ ایمان کی راہ اختیار کرو اور حق تعالیٰ نے جو باتیں تم پر فرض کی ہیں ان کی تعمیل کرو اور صبح وشام اللہ کی یاد میں لگے رہو، اور تمہیں تسبیح وتہلیل کے جو الفاظ بتائے گئے ہیں انھیں دہراتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو ہاں اگر ایسا کرتے رہوگے تو اللہ اپنے علم سے تمہیں جو کچھ

دیناچاہیں گے دیں گے چاہیئے کہ اپنی عقل، اپنے دماغ کو حاضر رکھو اور جو وہاں سے ملے اس کو قبول کرنے کے لیۓ تیار رہو۔ یہی کام کی بات اور نفع بخش طریقہ ہے۔ یہی وہ نور اور روشنی ہے جس سے اللہ تعالیٰ دلوں کو زندہ فرماتے ہیں. جب یہ نور تمہارے اندر چمک اٹھے گا اور اسی کے ساتھ چلتے پھرتے رہو گے تو شکوک و شبہات تمہارے خود بخود چھٹتے چلے جائیں گے جو عقلی گورکھ دھندوں میں پھنسنے والوں کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ کیوں کہ نور کا ظہور جس جگہ پر ہوتا ہے تاریکی وہاں سے خود بخود بھاگ جاتی ہے.

غور کرنا چاہیئے کہ عقلی دلائل سے بھی واقعی دلوں میں اگر نور پیدا ہوتا ہے تو پھر شکوک و شبہات باقی کیوں رہتے ہیں. یاد رکھو کہ نور سے تو تاریکی کا ازالہ ہوتا ہے۔ لیکن تاریکی سے نور کا ازالہ ضروری نہیں ہے.

الحاصل متکلمین کا طریقہ کہ ذات وصفات حق کے متعلق عقلی راہوں سے باتیں کرتے ہیں ان سے نہ نور پیدا ہوتا ہے نہ روشنی۔

شیخ نے اس کے بعد معتزلہ اور متکلمین کے مختلف طبقات کا ذکر کرکے فرمایا کہ باہم ان ہی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر فرقے کے ائمہ بھی مختلف مسائل میں جن کی حیثیت اصولی ہوتی ہے

مختلف نظر آتے ہیں. مگر دیکھنا حضرات انبیاء اور رسل علیہم السلام اوّل سے آخر تک اصولی امور میں ایک دوسرے کے ہمنوا ہیں. اگر ان میں اختلاف ہوتا ہے تو معمولی مولویوں کے معتقدوں نے ان کی باتیں جیسے نقل کی ہیں چاہیئے تھا کہ پیغمبروں کی امتیں بھی اپنے اپنے پیغمبر کے خاص خاص اختلافی نظریات کو نقل کرتیں لیکن ایسا نہیں ہوا.

متکلمین اور متبعین کا فرق

فرمایا کہ ارباب تقویٰ، اہل کشف جو انبیاء علیہم السلام کے صحیح پیرو ہیں ان کا حال بھی یہی ہے پس ــ اے بھائی! قرآن میں جو فرمایا گیا ہے کہ غیر اللہ کی طرف سے قرآن اگر اترتا تو اس میں اختلاف ہوتا اس کی وجہ یہی ہے کہ فکر و نظر والوں کا حال ہر وقت ایک جیسا نہیں ہوتا کبھی سوچتے ہیں اور ایک نتیجہ تک پہنچتے ہیں اور پھر غور کرتے ہیں تو بالکل مخالف نتیجہ ان کے سامنے آتا ہے لیکن نور اللہ میں چلنے والے کی حالت یہ نہیں ہوتی.

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ افکار و خیالات ہر شخص کے اس کے شخصی مزاج کے تابع ہوتے ہیں مزاجوں میں چونکہ اختلاف ہے اس لئے فکری و نظری نتائج میں بھی اختلاف کا ہونا ضروری ہوا.

(چودھویں مجلس) زندگی کے حالات کے مطابق موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ
کل بقرعید کی نماز ہوئی
آج جمعہ کا دن ہے۔

جی چاہا کہ شیخ اکبر کی مجلس میں پہنچنے کا شرف حاصل کیا جائے، فرما رہے تھے کہ آدمی کا جو حال موت سے پہلے ہوتا ہے اسی حال کے مطابق موت کے بعد آثار کا ظہور ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو صرف بندہ بن کر جیتا ہے تو آخرت میں وہی مطلق العنان بادشاہ بن کر نمایاں ہوتا ہے اسی طرح دنیا میں بادشاہی اور مالک بننے کا شعور جس میں قائم رہتا ہے خواہ اپنے ہاتھ پاؤں، ناک، کان وغیرہ اعضا ہی کا مالک، وہ اپنے کو کیوں نہ سمجھتا ہو، تو اس کا اثر آخرت میں محسوس کرے گا یعنی اسی حد تک آخرت کی زندگی میں ملک سے وہ اپنے آپ کو محروم پائے گا۔

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ آخرت میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہوگا جو دنیا کی زندگی میں حق تعالیٰ کے آگے انتہائی ذلت سے پڑا ہوا رہے یعنی واقع میں خدا کے سامنے اپنی ذلت کا احساس مسلسل اس میں زندہ رہے۔ اسی طرح آخرت میں اس سے زیادہ ذلیل وخوار کوئی نظر نہ آئے گا جو دنیا میں عزت کی انتہائی بلندیوں

تک پہنچ کر رہا ہو۔ شیخ نے فرمایا، مطلب میرا یہ نہیں ہے کہ یہاں جو بادشاہ بن کر رہا وہ آخرت میں ذلیل بن کر اٹھے گا بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی عزت اور برتری کا خبط جس میں سمایا ہوا ہو اس کے سامنے یہ صورت آخرت میں پیش آئے گی اور ذلت کے سلسلہ میں بھی یہی مطلب ہے کہ دل میں اپنی ذلت کا احساس ہو (ورنہ دل میں فرعونیت کا مالیخولیا ہو اور بظاہر لوگوں کے سامنے جو باور کراتا پھرتا ہو کہ میں تو ذلیل ترین مخلوق اپنے آپ کو سمجھتا ہوں (اس کی ذلت ذلت نہیں ہے)

اسی طرح دنیا میں ممکن ہے کسی علاقہ میں بادشاہی کا اقتدار کسی کو حاصل ہو لیکن دل میں حق تعالیٰ کے سامنے بجز ایک ذلیل ترین بندے کے اپنے آپ کو وہ اور کچھ نہ سمجھتا ہو۔ (تو آخرت میں ایسے بادشاہ کے لئے بادشاہی ہے)

الغرض دنیا میں حق تعالیٰ نے بندے کو کس مقام پر رکھا ہے دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے بلکہ اندر میں اس کے احساس کی نوعیت کیا ہے۔ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں ذلت وخواری، محتاجی ومسکنت کے احساس کے ساتھ اپنی سانس زمین کے خالی کرّے پر پوری کرے گا وہ دوسری زندگی میں عزت ہی عزت پائے گا۔ اور یہاں کی

زندگی میں اپنی برتری کا جنون جس حد تک زیادہ ہوگا اسی پیمانے پر آخرت کی زندگی میں اپنی کہتری اور خواری کا مشاہدہ اس کو کرایا جائے گا۔

شیخ نے فرمایا کہ میں نے جو یہ کہا کہ ذلت کے احساس کے ساتھ مرنے والا مرنے کے ساتھ اپنی عزت کو اپنے آگے پائیگا اس کا تماشہ بعض لوگوں کو موجودہ زندگی میں بھی کبھی کرایا گیا ہے۔

شیخ عبدالکریم ابن ہوزان القیشری نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک آدمی اپنی قبر میں دفن کیا جا رہا تھا جب دفن کرنے والے نے کفن کو کھول کر چاہا کہ مردے کے گال سے کپڑے کو ہٹا کر مٹی پر رکھ دے کہ اچانک مردے کی زبان سے آواز آنے لگی۔

"ارے کیا کر رہے ہو جس نے مجھے عزت بخشی ہے اسی کے آگے مجھے ذلیل کر رہے ہو"۔

شیخ نے فرمایا کہ مجھے خود اپنے رفیق عبداللہ الجبیتی کے متعلق یہ مشاہدہ کرایا گیا ہے کہ غسال جس وقت ان کو غسل دینے لگا تو باوجود مردہ ہونے کے سنا گیا کہ غسال سے کہہ رہے تھے کہ "ہاں! مجھے نہلاؤ"۔

موت کے بعد زندگی کے ان آثار کا جو تجربہ کبھی کبھی کرایا گیا ہے تو شیخ نے فرمایا کہ یہ اس زندگی کا مدار نہیں ہوتا جس سے مردہ محروم ہو جاتا ہے بلکہ وہ عام زندگی جس کی وجہ سے ساری کائنات حق تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہے، مردہ سے زندگی کے ان مظاہر کا ظہور اسی عام زندگی کا ثمرہ ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ تجربہ تو اس کا بھی کیا گیا ہے کہ عبادت کے اس خلوت خانہ کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ باہر سے آکر کوئی ان کی مشغولیت میں خلل انداز نہ ہو۔ تو دیکھا گیا کہ اس قسم کے خلوت خانوں میں عبادت گزار کے مرجانے کے بعد بھی اس خیال اور ہمت کا اثر باقی رہتا ہے۔ پھر شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے خلوت خانے کے متعلق یہ قصہ شیخ نے سنایا کہ شیخ جس حجرے میں عبادت فرماتے تھے اس کا نام بھی انھوں نے "بیت الابرار" رکھ دیا تھا۔ شیخ ابویزید کی وفات ہو گئی تو لوگوں نے حضرت کی اس عبادت گاہ کو محفوظ کر دیا اتفاق کی بات کہ ایک شخص بحالت جنابت اسی حجرے میں شب باش ہوا دیکھا کہ اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی حالاں کہ وہاں پر آگ نہ تھی سونیوالا اپنے جلتے ہوئے کپڑوں کو دیکھ کر بھاگا، اور اس واقعہ کے بعد

مسلسل یہ دیکھا گیا کہ جب کبھی اس حجرے کے ساتھ بے ادبی کسی سے صادر ہوتی کوئی نہ کوئی بات ظاہر ہوتی ۔

بہر حال شیخ نے فرمایا کہ دیکھو اس حجرے میں شیخ ابو یزید بسطامیؒ اپنی زندگی میں چاہتے تھے کہ کوئی آدمی اس میں داخل ہو کر خلل انداز نہ ہو۔ اب اس کا اثر وفات کے بعد بھی باقی رہا۔

شیخ نے ثابت البنانی کے واقعہ کا ذکر کیا جو زندگی میں آرزو کرتے تھے کہ مرنے کے بعد ان کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ جب مرے تو قبر میں ان کو نماز پڑھتے ہوئے پایا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں نماز پڑھتے ہوئے قبر میں دیکھا ۔

اسی سلسلہ میں شیخ اپنے والد مرحوم کا بھی ذکر فرمانے لگے ارشاد فرمایا کہ اس قسم کے لوگوں کو عموماً موت کی حالت میں پایا گیا ہے کہ چہرے کو ان کے دیکھئے تو زندہ معلوم ہوں، لیکن نبض پر ہاتھ رکھئے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ مر چکے ہیں دیکھنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ موت اور حیات دونوں کے آثار ایک ہی شخص سے کیسے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے والد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دیکھا کہ کچھ اسی قسم کا معاملہ کیا گیا ہم نے ان کو دفن تو

کر دیا لیکن ان کا چہرہ چونکہ بالکل جیتے جاگتے آدمی کا معلوم ہوتا تھا اس لئے دل میں خیال گزرتا تھا واقع میں ان کی وفات ہوئی بھی ہے یا نہیں کیونکہ چہرہ تو زندوں کا سا تھا لیکن ان کی نبض تو قطعاً ساکن ہو چکی تھی اور جیسے بے جان لاشہ میں سانس نہیں چلتی ان کی سانس بھی ختم ہو چکی تھی ۔

پھر ذکر اس کا فرمانے لگے کہ والد مرحوم نے وفات سے پندرہ دن پیشتر مجھے اپنی وفات کے واقعہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ بدھ کے دن میرا انتقال ہوگا۔ اور یہی ہوا بھی۔ شیخ نے کہا کہ والد مرحوم کی وفات کا واقعہ جس دن پیش آیا یہ عجیب بات ہے کہ مرض کی شدت کی وجہ سے (نشست و برخاست سے معذور تھے) مگر اس دن جس دن مرنے والے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے کوئی تکیہ وغیرہ بھی پیٹھ کے پیچھے نہ رکھا۔ پھر مجھ سے کہنے لگے کہ میرے بچے! آج میرے کوچ کا دن ہے اور "ملاقات کا" شیخ نے کہا کہ والد سے میں نے عرض کیا کہ "اس سفر میں حق تعالیٰ آپ کے لئے امن و سلامتی کے ضامن ہیں اور آپ کی ملاقات با برکت ملاقات ہوگی"، میرے اس جواب نے والد کو خوش کیا۔ اور دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے لڑکے خدا تجھے جزائے خیر عنایت فرمائے۔ تم جو باتیں

کیا کرتے تھے میں ان کو سنتا تو تھا مگر سمجھتا نہ تھا اور بعض باتوں کے متعلق دل میں انکار پیدا ہوتا تھا لیکن اب تو ان ہی باتوں کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اچانک ان کی پیشانی پر ایک سفید سی روشنی چمک اٹھی۔ اس کا رنگ ان کے باقی بدن کے رنگ سے بالکل مختلف تھا اس میں چمک دمک تھی اور وہ جگمگا رہا تھا والد کو اپنی پیشانی کے اس نور کا شعور بھی تھا۔ پھر یہی روشنی آہستہ آہستہ پھیلنے لگی پہلے چہرے پر پھیلی پھر بتدریج سارے بدن کو روشنی نے ڈھانک[1] لیا۔ اس حال کو دیکھ کر شیخ نے کہا کہ والد کے دونوں ہاتھوں کو میں نے بوسہ دیا اور ان سے رخصت ہو گیا اور عرض کیا کہ آپ کی وفات کی خبر آئے اس سے پہلے میں جامع مسجد چلا جاتا ہوں، والد نے فرمایا اچھا تم جاؤ مگر اس کا انتظام کر دو کہ کوئی غیر آدمی اس وقت میرے سامنے نہ آئے۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کو اور لڑکیوں کو والد نے اپنے پاس بلا لیا۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو

[1] چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علیؒ کی وفات کے وقت بھی دیکھا گیا کہ حضرت کی انگلیوں کے درمیان موتی کی طرح کوئی نورانی چیز وفات کے وقت جو لوگ بالین مبارک پر موجود تھے انھوں نے اس کا مشاہدہ کیا تھا۔
(مناظر احسن گیلانیؒ)

مسجد ہی میں ان کی وفات کی خبر مجھے پہنچائی گئی۔ میں اس وقت مسجد سے گھر آ گیا اور ان کو اسی حال میں پایا کہ چہرے سے تو زندہ معلوم ہوتے تھے لیکن نبض ساکن، ایسا حال تھا کہ دیکھنے والا شک میں مبتلا ہو جائے اسی حال میں ان کو دفن کرنا پڑا۔ ان کے جنازے میں بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔

آخر میں شیخ نے فرمایا کہ بھائی! اللہ میاں کی دین ہے۔ جسے چاہیں اپنی رحمت کے ساتھ مختص فرمائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسے آدمیوں کی موت اور زندگی برابر ہوتی ہے۔

(پندرہویں مجلس) اخلاقی رذائل کا امالہ مقصود ہے نہ کہ ازالہ

۲۵ ستمبر ۱۹۵۱ء خیال "مجلس فتوحات" کا آیا شیخ کے فتوحات آج بہت دلچسپ تھے۔ فرما رہے تھے کہ اخلاق و رذائل مثلاً حرص و حسد وغیرہ جیسے صفات سمجھے جاتے ہیں کہ برے ہیں اور ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ لیکن امت محمدیہ کو جو تعلیم دی گئی ہے اس میں فقط ان صفات کے طریقۂ استعمال اور مصرف کو بدل کر ان سے بھی مسلمانوں کو نفع اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً سمجھا رہے تھے کہ حرص اور لالچ کی صفت کی لوگ مذمت کرتے ہیں لیکن اگر حرص

اور لالچ کے اسی جذبہ کو علم کے حاصل کرنے میں جو استعمال کرے گا کیا کسی حیثیت سے بھی وہ قابل مذمت ٹھہر سکتا ہے؟ بلکہ برعکس اس کے ستائش اور تعریف ہی کا مستحق ہوگا۔ یہی حال حسد اور جاہ کے جذبہ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث

لا حسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللہ علما فھو یبثہ فی الناس و رجل اتاہ اللہ مالا فھو ینفقہ فی سبیل اللہ ۔

یعنی دو ہی آدمی ایسے ہیں جن سے حسد کرنا جائز ہے۔ ایک تو وہ جسے اللہ نے علم عطا کیا ہو اور وہ اس علم کو لوگوں میں پھیلاتا پھرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اللہ کی راہ میں اس مال کو خرچ کر رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو دیکھ کر ان ہی جیسے بننے کی کوشش کرنا یہ حسد کے جذبہ کا صحیح استعمال ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو خدا نے سمجھ عطا کی ہے انھوں نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بات صرف ان دونوں مسئلوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ انسانیت میں بلندی اور برتری کی جن چیزوں سے پیدا ہوتی ہو ان کے حاصل کرنے میں آگے بڑھ جانے کے

جذبہ کو جتنا زیادہ ابھارا جائے گا حتیٰ کہ سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جانے کا ان امور میں جو ارادہ کرے گا وہ تعریف ہی کا مستحق ٹھہرے گا۔

شیخ نے فرمایا کہ "تخلقوا باخلاق اللہ" (یعنی اللہ کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو) اس روایت میں اگر غور کیا جائے تو اس میں بھی اشارہ گویا اسی طرف کیا گیا ہے کہ کمالات کا جو آخری سرچشمہ ہے یعنی حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو بھی بندوں کے سامنے اس لئے پیش کیا ہے کہ اس کے کمالات سے قریب تر ہونے کی لوگ کوشش کریں، قرآن مجید میں اس قسم کا ذکر فرماتے ہوئے کہ تم کو عفو اور درگزر سے کام لینا چاہئے عموماً فرمایا گیا ہے کہ خدا بھی تو عفو اور درگذر سے کام لیتا ہے وہ بھی غفور و رحیم ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے، گویا مقابلہ کے میدان میں بندوں کے سامنے حق سبحانہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ وسیع میدان مقابلہ کے اس جذبہ کے لئے اور کیا مل سکتا تھا (جو استعمال کی خرابی کی وجہ سے حسد جیسے رذیلہ کے نام سے بدنام ہو رہا ہے سچ پوچھو تو اس کے صحیح استعمال کے بعد اس سے زیادہ قیمتی عنصر انسانی سرشت

میں مشکل ہی سے مل سکتا ہے ۔)

شیخ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا روایت "تخلقوا باخلاق اللہ" (اللہ کے اخلاق وصفات کو اپنے اندر پیدا کرو) اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ کے بندوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے کہ ترقی کرتے ہوئے حق تعالیٰ کی تخلیقی صفت یعنی کن کے ذریعہ سے چیزوں کو پیدا کرنے کی قدرت جو حق تعالیٰ میں پائی جاتی ہے اس کمال تک پہنچنے میں وہ کامیاب ہوئے۔ حالاں کہ خدائی کمالات میں یہ کمال آخری کمال ہونے کی حیثیت رکھتا ہے ۔ (جنت کی زندگی میں اللہ کے نیک بندوں میں یہ کمال ظہور پذیر ہوگا) الغرض بقول شیخ ۔

لو لا الحسد ما تعمل القوم فی تحصیل ھذا المقام (ص۸۷ ج ۲)

اگر حسد کا یعنی مقابلہ کا جذبہ آدمی میں نہ ہوتا تو لوگ کن کے اس مقام تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتے.

انسان کامل یعنی جنتی انسان کو کن فیکون کی قوت عطا ہوگی ، اس مسئلہ کو مختلف طریقہ سے شیخ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے. قرآنی آیات مثلاً یہی کہ لکم فیھا ما تشتھی انفسکم و لکم فیھا ما تدعون (اس جنت میں تمہارے لئے وہ سب کچھ

ہے جسے تم چاہو گے اور اس میں وہ بھی ہے جسے تم مانگو گے) یا اہل جنت کی طرف قرآن میں منسوب کیا گیا ہے کہ "قدروھا تقدیرا" (جنت والے پیمانہ ان ظروف کا جن میں پییں گے خود مقرر کریں گے) اور "یفجرونھا تفجیرا" (جاری کریں گے جنت کی نہروں کو پھوڑ کر) ان ہی مجمل آیتوں کی تفسیر ایک روایت میں جو کی گئی ہے. شیخ نے اسی روایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "خبر میں آیا ہے کہ جنت والوں کے پاس خدا کا فرشتہ آئے گا پہلے حاضر ہونے کی اجازت حاصل کرے گا اور ان کے پاس پہنچکر ایک مکتوب حوالے کرے گا یہ مکتوب خالق کائنات کی طرف سے اہل جنت کے نام ہوگا جس میں سلام کے بعد لکھا ہوگا کہ خدائے حیّ و قیوم کی طرف سے جو کبھی نہ مرے گا یہ خط ہے بنام ان لوگوں کے جو حیّ (زندہ) اور قیوم ہو چکے ہیں اور کبھی نہ مریں گے ، اما بعد (پس معلوم ہو کہ) میں جس چیز کو کہتا ہوں کہ وہ ہو جائے وہ ہو جاتی ہے (یعنی کن کہتا ہوں فیکون پس وہ ہو جاتی ہے) اور اب تم کو بھی میں یہی بنا دیتا ہوں کہ جس سے کن کہو گے وہ ہو جائے گی "

اصل عربی عبارت اس نامہ الٰہی کی شیخ کے بیان کے مطابق

بر ہوگی "من الحی القیوم الذی لایموت الی الحی الذی لایموت امابعد فانی اقول لشئ کن نیکون و قد جعلتک الیوم تقول للشئ کن نیکون"، (ص۳۸۳ ج ۳)

شیخ نے فرمایا کہ اس خط کی عبارت کو نقل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ (اس خط کو پانے کے بعد) جنت والوں میں سے جو بھی کسی چیز کو کن کہے گا تو اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ فوراً وہ چیز ہو جائے۔

شیخ نے فرمایا کہ "شئ" کا لفظ عام ہے۔ اس سے زیادہ عام لفظ عربی میں کوئی نہیں جنت میں انسانی قوت ترقی کر کے کہاں تک پہنچ جائے گی۔ اس کا اندازہ کرنا چاہیئے۔

انہی کے ساتھ کہنے لگے کہ اہل اللہ کا یہ اتفاقی ذوق ہے (یعنی تجربہ کر کے وہ اس کا مزہ چکھ چکے ہیں) کہ موجودہ زندگی میں بھی یکسوئی کا ملکہ آدمی میں جب پیدا ہو جاتا ہے ایسی یکسوئی کہ آدمی ایک بسیط ذات بن جائے تو جس کام پر اپنی ہمت کو وہ مرتکز کرے گا۔ وہ ہو کر رہتا ہے۔

الغرض خیالی طور پر ہم میں ہر شخص اس قدرت کو اپنے اندر جو پاتا ہے کہ جس چیز کا بھی خیال کرے وہ عالم تخیل میں

اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے، لیکن اس کی اس خیالی مخلوق سے دوسروں کے حواس تو کیا متاثر ہوں گے خود پیدا کرنے والے کی آنکھیں بھی اس کو نہیں دیکھ پاتیں بلکہ صرف ذہنی احساس کا تعلق ان خیالی مخلوقات کے ساتھ قائم رہتا ہے گویا کن فیکون کی قوت کا ایک ضعیف درجہ آدمی میں ابتداءً پایا جاتا ہے پھر عالم کی حقیقی تخلیقی قوت یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ پیدا کرتے ہوئے بالآخر اپنی اس قوت کو ارتقاء کے اس نقطہ تک پہنچایا جاتا ہے جس کا تجربہ جنت میں لوگوں کو کرایا جاتا ہے کہ جس چیز کو بھی حکم دیں گے کہ ہو جا وہ اس کے سامنے واقعی موجود ہو جائے گی۔ یہی مطلب ہے کہ آدمی کو حق تعالیٰ کی طرف سے کن فیکون کی قوت جنت میں عطا ہو گی۔

سچ پوچھئے تو زندگی کے موجودہ عبوری دور کے چند سالوں کو خدا کی مرضی کے مطابق بسر کرنے میں کامیاب ہونے والے آئندہ زندگی میں خدا اور خدا کے قوانین کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہوئے پائیں گے یعنی نفس راضیہ کے متعلق قرآن میں بشارت دی گئی ہے کہ وہ "مرضیۃ" بن جاتا ہے، یا "رضوا عنہ" (اللہ سے جو راضی ہو گئے) اپنے سامنے (رضی

اللہ عنہم ،، (راضی ہوگیا اللہ ان سے) کے نتیجے کو پائیں گے تو ان ساری باتوں کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ جنتی زندگی میں جس چیز کا بھی ارادہ کیا جائے گا اس کو حق تعالیٰ پیدا کرتے رہیں گے۔ کن فیکون کی قوت جنت والوں کو مل جائے گی اس کا مآل اور " راضیۃ مرضیۃ ،، کا جو مفاد ہے بتایا جائے کہ دونوں میں فرق ہی کیا ہے۔ آخر کن فیکون کی قوت جنت والوں کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے تو عطا ہوگی پس جو کچھ بھی ہوگا حق تعالیٰ ہی کی داد اور اسی کی عطا کی ہوئی قوت ہی کا تو وہ رہین منت ہوگا۔

دسولھویں مجلس ، توبۂ آدمؑ !

۲۶ ر ستمبر ۱۹۵۱ء " مجلس فتوحات ،، ہی کی طرف دل آج بھی کھنچا ، پھر بچاہا گفتگو " توبہ ،، پر فرما رہے تھے ،

قصۂ آدم میں قرآنی آیت " فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ ،، وغیرہ آیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بعض عجیب نکات کی طرف شیخ نے توجہ دلائی ، کہنے لگے کہ آدم علیہ السلام کے دل میں حق تعالیٰ کی طرف سے جو باتیں ڈالی گئیں یعنی جن کلمات کی تلقی آدم کو اپنے رب سے ہوئی

ظاہر ہے کہ یہ کلمات حضرت آدم علیہ السلام کی وہ دعا تھی جو قرآن میں آدم علیہ السلام کی طرف بایں الفاظ منسوب کی گئی ہے یعنی آدمؑ نے کہا :-

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین (القرآن الحکیم)	ہمارے پروردگار ہمنے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور رحم نہ فرمائے گا تو ہم یقیناً ہو جائیں گے ان لوگوں میں جو خسارے کے شکار ہوئے۔

قابل غور پہلی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی دعا کے متعلق " فتاب علیہ ،، یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے آدم کی توبہ قبول ہونے کی خبر دی جارہی ہے تو پھر آدم کو زمین پر اتر جانے کا یعنی اھبطوا کا جو حکم دیا گیا اس حکم کو آدم کی لغزش کی سزا ہم کیسے قرار دے سکتے ہیں قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے " ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ" (پھر چن لیا آدم کو اس کے رب نے اور اس کی توبہ قبول کی) جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس دعا کے بعد آدم علیہ السلام اجتباء کی نعمت سے بھی سرفراز ہوئے پھر جس کی توبہ قبول کی گئی

اور اجتباء کی نعمت سے نوازا گیا۔ اسی کے متعلق یہ خیال کہ اپنے کئے کی سزا بھگتنے کے لئے آدم کو زمین پر اترنا پڑا، بجز منطقی تضاد کے اور کیا ہے، گویا کہ آدم کی نہ توبہ ہی قبول ہوئی اور نہ اجتباء کا شرف بخشا گیا۔ شیخ نے فرمایا اسی بنا پر میرا خیال تو یہی ہے کہ اتر جانے کے حکم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے درجہ اور مرتبے سے آدم علیہ السلام کو محروم کر کے تنزل کی سزا دی گئی بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی منتقلی سے زیادہ اھبطوا کا مفاد اور کچھ نہیں نکلتا۔ "فھو ھبوط مکان لا ھبوط رتبۃ"

اسی طرح آدم علیہ السلام کی دعاء میں غور کرو، عام طور پر علماء رسوم (یعنی مولوی لوگ) کہتے ہیں کہ توبہ میں جرم کے اعتراف و اقرار کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آئندہ اس جرم سے باز رہنے کا عزم اور پختہ ارادہ بھی کیا جائے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آدمؑ کی اس دعا میں جرم کے اعتراف و اقرار اور دعا کے سوا، عزم والے جزء کا سراغ کس لفظ سے ملتا ہے؟ یقیناً اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ آئندہ اس جرم کا اعادہ مجھ سے نہ ہوگا "اس کا پختہ ارادہ کرتا ہوں"، خدا کے سامنے اس قسم کے

دعا دی میں مجھے تو کچھ بے ادبی کی بو محسوس ہوتی ہے[1]۔ اور کون جانتا ہے کہ آئندہ اس کے ساتھ کیا صورتیں پیش آنے والی ہیں۔ بالفرض کشفاً کسی کو معلوم بھی ہو جائے کہ اس جرم کا اعادہ مجھ سے نہ ہوگا تو جو بات واقع ہونے والی ہو اس کے متعلق عزم کا اظہار بے معنی ہے اور اس کا علم ہو کہ خواہ کچھ بھی کریں لیکن بہرحال جرم کا اعادہ ہم سے ہو کر رہے گا تو اس اٹل تقدیری فیصلہ کے مقابلہ میں بھی عزم کا اظہار لاحاصل ہے۔ (ص ۱۸۷ ج ۲)

---

[1] یہاں حضرت شیخ سلب ارادہ کی کیفیت سے مغلوب نظر آتے ہیں، ورنہ لفظ "ظلمنا" میں تو اپنے ارادہ کا اثبات و اقرار صاف موجود ہے۔ اور اس بناء پر اس کی اصلاح کا عزم گستاخی نہیں بلکہ توبہ کی شرط لازم بن جاتا ہے، واللہ اعلم
(غ۔ م)

مجالس مولانا روم قدس سرہٗ

(پہلی مجلس، اسرار توبہ) ۱۹ر مارچ ۱۹۵۰ء گیلانی دبہار) عارف معنوی کے دربار میں حاضری کی سعادت میسر آئی ارشاد ہوا، قصہ بیان فرمانے لگے مکتب خانہ میں بچہ پڑھ رہا تھا قل ارأیتم ان اصبح ماءکم غوراً فمن یاتیکم بماء معین (کہو! اگر تمہارا پانی سٹک جائے تو تمہارے لئے بہتے پانی کو کون لائے) راستہ سے ایک فلسفی منطق باز ذلیل و خوار گزر رہا تھا۔ قرآنی سوال کے جواب میں بولا، کدال اور سبل سے کھود کر پانی کو نکال لوں گا (یعنی سائنس کے زور سے اس مشکل کو حل کروں گا) رات ہوئی خواب میں فلسفی نے دیکھا کہ ایک شیر مرد سامنے کھڑا ہے اور اس نے کھینچ کر اس فلسفی کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ ایسا طمانچہ کہ دونوں آنکھیں فلسفی کی بہہ گئیں اور شیر مرد پوچھ رہا ہے یعنی :-

گفت زیں دو چشمہ چشم اے شقی　　　با تبر نورے بیار ار صادقی

صبح بیدار ہونے کے بعد فلسفی کو محسوس ہوا کہ واقعی اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں، قصہ ختم ہو گیا، آگے مولانا نے فرمایا :-

چاہتا تو اس پانی کو بھی وہ واپس لا سکتا تھا لیکن اس چشمہ کا پانی کدال اور پھاوڑے سے نہیں بلکہ استغفار اور توبہ کی راہ سے واپس ہو سکتا تھا، مگر افسوس کہ فلسفی استغفار اور توبہ کی سائنس سے جاہل تھا یا جاہل کر دیا گیا تھا،

ارشاد ہوا کہ توبہ و استغفار کا ذوق بھی ہر شخص کو میسر نہیں آتا۔ فرمایا کہ بدکرداری اور سرکشی و انکار کی سزا آدمی کو یہ ملتی ہے کہ توبہ کی راہ اس کے دل پر بند کر دی جاتی ہے

زشتیٔ اعمال و شومیٔ جحود　　　راہ توبہ بر دل او بستہ بود

فرمایا :- نیاز و اعتقاد کی قوت میں جیسے یہ اثر ہے کہ محالات کو بھی ممکن بنا دیتی ہے، آگ باغ بن جاتی ہے۔ بجنسہ بداعتقادی و بدکرداری کا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ سونا چھوئے تو مٹی ہو جائے اور صلح کا ارادہ کرے تو جنگ پیدا ہو۔

ہم چنیں بر عکس آں انکار مرد　　　مس کند زر را و صلحی را نبرد

فرمایا کہ :۔ زشتی اعمال و اعتقاد سے دل پتھر بن جاتا ہے پتھر کو جوت کر غلہ نہیں اگایا جاسکتا۔ ہاں شعیبؑ جیسے پیغمبروں میں اتنا زور ہوتا ہے کہ پہاڑ کو خاک بنا دیتے ہیں ایسی خاک جس میں کھیتی اگائیں۔ سنگین دلوں کو چاہئے کہ شعیبی رنگ کا آدمی ملے تو اپنا دل اس کے سپرد کر دیں۔

پھر فرمایا کہ :۔ فلسفی نے بھی سمجھو دعا کی تھی مگر اس کی دعا، "مسخ" کو کھینچ کرلائی، اچھی قابل کشت مٹی کو بھی اس نے سنگ ریزہ کا میدان بنا دیا۔ بہرحال ہر دل میں ذوق سجدہ پیدا ہو، ہر کام کی مزدوری رحمت میں ملے یہ قدرت کا دستور نہیں فلسفی نے جو محنت کی تھی اس محنت کا صلہ یہ ملا کہ غریب سجدے کی توفیق سے محروم ہو گیا۔

مولانا نے پھر "توبہ" کے متعلق تنبیہ فرمائی کہ "توبہ کرلوں گا" اس بھروسہ پر گناہ کا ارتکاب جو کرے گا وہ توبہ سے محروم کر دیا جائے گا، فرمایا کہ اس قسم کا گستاخ آدمی گناہ کے بعد منہ سے توبہ و استغفار کے الفاظ نکالے لیکن نہ اس کی توبہ، توبہ ہے اور نہ اس کا استغفار، استغفار ہے۔ فرمایا توبہ کی حقیقت اپنے ساتھ کچھ علامتوں کو رکھتی ہے جیسے بارش سے پہلے بجلی

کڑکتی ہے بادل گرجتے ہیں اسی طرح حقیقی توبہ کرنے والے پر گریہ طاری ہوتا ہے، چلاتا ہے، شور کرتا ہے تو غضب الٰہی کی آگ اسی توبہ کی بارش سے بجھ سکتی ہے۔

تا نباشد برق دل و آب دو چشم　　　کے نشبند آتش تہدید و خشم

بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج میں جو بارش ہوتی ہے اسی بارش سے کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، باغ ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔

پھر مولانا کی توجہ دوسرے مسئلہ کی طرف ہو گئی فرمانے لگے

توحید افعالی

ان ہرے بھرے کھیتوں، باغوں کو دیکھتے ہو فاختہ کوکو کر رہی ہے، ہر بلبل چہچہا رہی ہے لالہ دمک رہا ہے، پھول مہک رہے ہیں،

از کجا آوردہ اندیں حلہا　　　من کریم و من رحیم کلہا

فرمایا :۔ یہ ساری لطافتیں جن کا نظارہ کر رہے ہو، کیا ہیں؟ کسی کا پتہ ہی تو دے رہی ہیں

آں لطافتہا نشان شاہدیست

مگر ان چیزوں پر اس نقطۂ نظر سے ہر شخص کی نگاہ نہیں پڑتی، بادشاہ کو جس نے دیکھا وہی اس کی نشانیوں کو پہچانتا ہے، بادشاہ دکھایا گیا تھا، جس کے اندر اس کی یاد رہ گئی

ہے وہی مست الست بنا ہوا ہے۔ فرمایا۔ خواب میں کسی کے ایک صاحب آئے اور بتایا کہ کل تم سے ملوں گا فلاں فلاں نشانیوں سے تم مجھے پہچان لوگے مگر اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کرنا، صبح ہوئی، خواب دیکھنے والا گلی گلی کوچہ کوچہ میں ڈھونڈھنے لگا، اس کی حرکتوں پر بعضوں کو تعجب بھی ہوتا بتائی ہوئی نشانیوں کے ساتھ جسے ڈھونڈھ رہا تھا اچانک وہ سامنے آگیا، سامنے آنا تھا کہ یہ اس سے لپٹ پڑا، چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ دیکھنے والے متحیر تھے کہ اس غریب کو کیا ہوگیا۔ مگر ؎

ایں نشاں در حق او باشد کہ دید   آں دگر را کے نشاں آید پدید

الحاصل کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ "مست روز الست" کے لئے ایسا ہی ہے جیسا مچھلی کے لئے پانی،

ماہی بیچارہ را پیش آمد آب   ایں نشانہا "تلک آیات الکتاب"

مچھلی پانی میں پہنچ گئی، قرآن میں بتانے والے نے اپنی نشانیاں بتائی ہیں۔ ان نشانیوں سے جو اس کو ڈھونڈھے گا پائے گا (ذوبودم)

(دوسری مجلس) خدائی امتحان کیوں ہے | بعد مغرب حضرت مولانا کی مجلس

میں حاضر ہوا۔ ارشاد ہو رہا تھا۔ ایک دن مرتضیٰ علیہ السلام

سے ایک پاجی نے پوچھا اور اس وقت حضرت ایک کوٹھے پر تھے جو کافی بلند تھا۔ پاجی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے محافظ و نگراں ہیں، حضرت نے فرمایا کیوں نہیں؟ بچپن بلکہ آدمی جب نطفہ کی شکل میں رہتا ہے اسی وقت سے وہ بندوں کی حفاظت و نگرانی کرتا چلا آرہا ہے (ورنہ ان نازک منزلوں سے گزر کر آدمی بن سکتا ہے؟ مناظر احسن گیلانی) تب پاجی نے کہا تو پھر برائے مہربانی اس کوٹھے سے اپنے آپ کو نیچے گرائیے دیکھیں آپ کی حفاظت آپ کا خدا فرماتا ہے؟ دعویٰ آپ کا مدلل ہوجائے گا۔ جواب میں حضرت مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا، بے وقوف! چپ رہ تو نے بڑی جرأت سے کام لیا، کہیں اسی جرأت کا تم شکار نہ ہوجاؤ، اور اس کو سمجھانے لگے کہ بھائی! اپنے مالک کا امتحان بندہ سے؟ بندہ کو اس کا حق کس بنیاد پر حاصل ہے؟ ارے احمق (گج دکول) کس کا پتہ ہے کہ اپنے مالک کا امتحان لے۔ ہاں! خدا اپنے بندے کا امتحان لے تو وہ اس کا جائز حق رکھتا ہے۔

یہ مطلب خدا کا امتحان سے نہیں ہوتا کہ جس چیز کو وہ نہیں جانتا امتحان کر کے اس کو معلوم کرے بلکہ ؎

تا بما ، ما را نماید آشکار   کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار

یعنی آدمی خود اپنے باطنی حال سے واقف نہیں ہوتا بہت سی غلط فہمیوں میں اپنے متعلق خود مبتلا رہتا ہے۔ امتحان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے باطنی حال سے وہ خود آگاہ ہو جائے "تا بما، ما را نماید آشکار"، چاہتا ہے کہ خود اپنے آپ پر ہم جو کچھ ہیں ظاہر ہو جائیں

بہر حال حق تعالیٰ کے متعلق یہ کتنی بڑی گستاخی ہو گی کہ کوئی خدا کے سامنے کھڑا ہو کر کہے، لیجئے میں آپ کے خلاف حکم کو توڑتا ہوں اور امتحان لیتا ہوں کہ آپ میں حکم کا کمال کتنا ہے؟ یہ خیال کر کے جو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یعنی خدا کے حکم کو جانچنا چاہتا ہے اس کی یہ توجیہ یا گناہ کا عذر اس گناہ سے بھی بڑھا ہوا پاپ ہے۔ پھر مولانا حسب عادت دوسری طرف متوجہ ہو گئے کہ لوگ دوسروں کو جانچتے پھرتے ہیں حالاں کہ سب سے پہلے جانچنے کی چیز اپنے لئے ہم خود ہیں،

امتحان خود چوں کردی اے فلاں   فارغ آئی ز امتحانِ دیگراں

پھر ارشاد ہوا، اپنے امتحان سے تم پر اگر ثابت ہو کہ تم مرچ نہیں بلکہ شکر دانہ ہو تو اسی سے تم حق تعالیٰ کے علم کا سراغ لگا

سکتے ہو یعنی اگر تم مستحق نہ ہوتے تو "شکر"، تم میں پیدا نہ کرتا۔ دانش مند آدمی کبھی موتی کو سنڈاس[1] میں نہیں ڈالتا اور جو عقل رکھتے ہیں وہ بھوسہ میں گیہوں کو نہیں سڑاتے تو حق تعالیٰ جو حکیم و علیم ہیں تجھ میں شکر نہ پیدا کرتے۔

پھر ارشاد ہوا کہ اسی طرح مرید ہو جانے کے بعد پیر کا امتحان بھی بدبختی ہے بلکہ امتحان لینے والے کا امتحان ہو جاتا ہے کہ یقین کی دولت سے مرید خالی ہے بلکہ تمہارے اندر گستاخی جہالت وغیرہ کے جو جراثیم ہیں وہ پیر کے امتحان سے باہر نکل آتے ہیں، ارشاد ہوا کہ ذرہ پہاڑ تولنے چلا، ترازو اسے کہاں ملے گی خود اپنے آپ کو ایک پلڑے میں رکھ کر تولے گا۔

چوں نہ گنجد او بمیزان خرد   پس ترازوئے خرد را بر درد

بہر حال حق تعالیٰ کے امتحان کا وسوسہ بھی دل میں کسی کے آئے تو چاہئے کہ فوراً سر بسجود ہو کر گڑگڑائے کہ اے پروردگار اس گمان اور شک کی بیماری سے مجھے نجات عطا فرمائیے۔

پھر مولانا نے ایک مثال بیان کی کہ حق تعالیٰ کے امتحان کا وسوسہ جس کے دل میں ہو وہ سمجھ لے کہ اس کے دین کے صحن

---

[1] بیت الخلاء

میں عن خروب پیدا ہوگیا ہے۔ خروب کیا؟ فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے جب مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو مطلع کیا گیا کہ مسجد کی تعمیر کا کام تم سے نہیں لیا جائے گا، "کیوں پروردگا؟" داؤدؑ نے عرض کی، "تمہارے نغمے پر جانیں گئی ہیں"، جواب ملا۔ "مگر میں تو مغلوب تھا" داؤدؑ نے عرض کیا۔ اب اس کی شرح ہونے لگی، فرمایا کہ "مغلوب تھا"، معدوم تو نہیں ہوتا بلکہ نسبتاً اسے معدوم کہتے ہیں کہ اپنی خودی سے غائب ہو کر سب سے بڑی ہستی کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ مسلوب الاختیار نہیں ہوا بلکہ اختیار کا جو آخری سرچشمہ ہے اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔

منتہائے اختیار انست خود — کاختیارش گشت این جا مفتقد

ہلکے سے "اختیار" کا مزہ اسی لئے آدمی کو چکھایا جاتا ہے تاکہ اختیار مطلق کی طلب اس میں پیدا ہو جس کے حاصل کرنے کی صورت یہی ہے کہ اپنی "انانیت" کھو بیٹھے۔

پھر فرمایا کہ لذائذ مشروبات و ماکولات کی لذت ترک لذت سے حاصل ہوئی ہے اگر کسی کے لئے یہ چیزیں بے لذت ہو گئیں تو اسی لئے ہو گئیں کہ لذتی بن کر اس نے اتنا مزہ اڑایا کہ ترک کا

موقع نہ مل سکا۔ اسی طرح اختیار کی لذت سے آشنا ہو جانے کے بعد اگر کوئی ترک اختیار کچھ دن کرے تو اب اختیار مطلق کی لذت اس کو حاصل ہو گی بجائے اس کے جو اس مجازی اختیار کو کثرت سے استعمال کرنا شروع کرے گا تو اختیار کی لذت سے محروم ہو جائے گا۔ (دفتر چہارم)

(تیسری مجلس) تقلیدی و تحقیقی علم کا فرق!

۴ر ستمبر ۱۹۵ء

مولانا معنوی کی مجلس میں حاضری کی سعادت میسر آئی آج دو لطیفے ارزانی ہوئے۔ دلقک کا لطیفہ جس نے عفیفہ عورتوں کو چھوڑ کر زن بازاری سے عقد کر لیا تھا۔ کسی بزرگ نے دریافت کیا میاں دلقک تم کو نیک چلن عفیفہ عورت نہیں ملتی تھی جو اس بازاری قحبہ سے تم نے عقد کر لیا۔ مجھ سے کہتے تو ایک خوش کردار زن مستورہ پردہ نشین تمہارے لئے مہیا کر دیتا۔

دلقک نے عرض کیا، حضرت والا! کیا عرض کروں اس عقد سے پہلے کتنی پردہ نشین مستورہ عورتوں سے فقیر نے نکاح کیا لیکن سب ہی قحبہ بن کر نکل گئیں تب تھک کر میں نے اس بازاری قحبہ سے معاملہ کر لیا۔ دیکھتا ہوں کہ اس کا انجام

کیا ہوتا ہے دلقک نے کہا کہ

گفت نے مستورہ صالح خواستم　　قحبہ گشتند وزعم من کاستم

اس لطیفہ کا ذکر حضرت مولانا نے اپنے اس مشہور شعر کے بعد فرمایا۔ یعنی ؎

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

جب عقل پر بھروسہ کیا دھوکا اٹھایا، آخر جنون میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔

دوسرا لطیفہ اسی سلسلہ میں "مست" کا تھا دیوار کے پیچھے پڑا قے کر رہا تھا۔ محتسب نے دھر لیا، ابے کون ہے؟ تو نے کیا پی لی ہے؟ مست نے کہا جو اس گھڑے میں ہے۔ گھڑے میں کیا ہے؟ محتسب نے پوچھا! مست نے کہا جو میں نے پیا ہے، محتسب نے کہا کہ یہ دور والی گفتگو کیا کرتا ہے چل جیل خانے۔ مست نے کہا کہ

گر مرا خود قوت رفتن بدے　　خانۂ خود رفتمے دیں کئے شدمے دمے[152]

اسی تاریخ میں دوسری مجلس میں جانے کا شرف حاصل ہوا بہلول دانا کا قصہ بیان فرما رہے تھے، کہ بانس پر چڑھ کر بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے جو کوئی بات پوچھتا تو کہتے جلدی ہٹو میرا گھوڑا

کہیں لات نہ رسید کرے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس عقل و دانش کے ساتھ اپنی یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے، فرمایا کہ میاں! اس شہر کے لوگوں کا اصرار ہے کہ میں ان کے شہر کا قاضی بن جاؤں مگر اس دردسری کو کون خریدے۔ اپنے خزانے کو میں نے جنون کے گھوڑے کے نیچے دبا دیا ہے الحمدللہ کہ مجھ میں "شکر" پیدا ہوئی ہے اور شکر سے خود ہی لذت اندوز ہوتا ہوں ؎

کانِ قندم نیستانِ شکرم　　ہم زمن می روید و من خورم

بہلول دانا نے کہا کہ میرا علم تقلیدی نہیں ہے تحقیقی ہے تقلیدی علم کے متعلق فرمایا کہ عوام و خواص میں روشناس ہونے کے لئے یہ علم حاصل کیا جاتا ہے اس علم سے غرض یہ نہیں ہوتی کہ ؏ نے کہ تا یابد ازیں عالم خلاص۔ تقلیدی علم والے کی مثال چوہے کی ہے جو اِدھر اُدھر سوراخ کھودتا ہے مگر روشنی سے محروم رہتا ہے۔ بہرحال ایسا علم یا ایسی گفتگو جو تقلیدی ہوتی ہے اس میں جان نہیں ہوتی صرف اپنے خریداروں کے عشق میں ایسا آدمی گھومتا پھرتا ہے، رونق اسی وقت تک اس علم کی رہتی ہے جب تک خریدار اس کے ملتے ہوں، خریدار غائب، علم بھی غائب، پس مناسب یہی ہے کہ ان فانی خریداروں کی تلاش چھوڑ دو

اور اس علم کو حاصل کرو جو باقی سے رشتہ ملائے یہ مفلس خریدار کیا خرید یں گے ؎

این خریداران مفلس را ہِل   چہ خریداری کند یکمشت گِل
گِل مخور گِل را مخور گِل را مجو   زانکہ گِل خوارست دائم زرد رو

پس "گل خری" سے دست بردار ہو کر "دل خری" میں مشغول ہو جاؤ
(دفتر دوئم)

(چوتھی مجلس) فانی انوار لائق التفات نہیں

، ستمبر یوم الجمعہ بعد الاوراد

حضرت مولانا معنوی کی خدمت میں حاضر ہوا دریافت فرمانے لگے کہ بجلی جانتے ہو کس پر ہنستی ہے؟ خود فرمایا ان ہی لوگوں پر جو برق کے نور پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں پھر فرمانے لگے کہ سمندر کے کف پر گھوڑے کو جو دوڑاتا ہے، ڈوبے گا یا پار ہو گا؟ برق کی روشنی میں خط کا پڑھنے والا کیا خط پڑھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نورِ حس پر ٹیک لگا کر بیٹھ نہ جانا چاہئے دراصل یہ وہ نور نہیں جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی، بہرحال حق تعالیٰ سے ہٹ کر کوشش کرنے والے کی حالت وہی ہے کہ ؎

برکف دریا فرس را راندن   نامہ را در نورِ برقی خواندن
از حریصی، عاقبت نادیدنست   بر دل و بر عقل خود خندیدنست

دریافت فرمایا گیا کہ آخر عقل و ہوش رکھتے ہوئے دریا کے بیچ پر لوگ گھوڑے کیوں دوڑا رہے ہیں، کیا ان کے پاس عقل نہیں ہے؟ ارشاد ہوا کہ عقل تو ان کے پاس بھی ہے اور عقل کا اقتضا یہی ہے کہ انجام کو نظر سے اوجھل نہ ہونے دے۔ مگر ؎

عقل کو مغلوبِ نفس، او نفس شد

فرمانے لگے کہ موجودہ زندگی لمحہ لمحہ میں مختلف حالات سے جو گزرتی رہتی ہے جانتے ہو اس کا راز کیا ہے؟ فرمایا کہ ضد سے ضد کی پیدائش کا سلسلہ حالات کی قلابازیوں میں جاری ہے راز یہ ہے کہ ؎

تا کہ از عسری نہ بینی خوفہا   کہ زیسری بازیابی لطفہا

سلہ ہمارے زمانے میں "نور برقی"، کی نوعیت بدل گئی اب سب کچھ اسی میں پڑھا جاتا ہے مولانا کے عہد میں بادل والے برق کے سوا اور کوئی برقی روشنی نہ تھی آج کا آدمی اس شعر کو پڑھ کر تعجب کرے گا، یہ زمانہ یوں ہی بدلتا رہتا ہے ۲۰۔ ۵۳ کف۔

بائیں طرف سے خوف پیدا ہوتا ہے مگر داہنے جانب سے امید کی توقع مردان خدا کرتے ہیں مقصد یہ ہے کہ "بیم وامید" کے دو پَروں سے آدمی اڑے، ایک پر والا پرندہ اڑے گا کہ گر پڑیگا؟ ؎

تا دو پر باشی کہ مرغ یک پرہ　　عاجز آمد از پریدن یک سرہ

پھر مولانا نے کچھ اشارے میں گفتگو کی۔ ابراہیمی نور اگر تو "نار" میں بھی "گلزار" کو پا لیتا ہے اور فانی انوار کے مظاہر پہ پاؤں رکھتے ہوئے بالآخر نور الانوار تک پہنچ جاتا ہے ؎

چوں خلیل از آسمان ہفتمین　　بگذر کہ لا احب الآفلین

(دفتر دوم)

(پانچویں مجلس) دنیوی واخروی سزا کا فرق

۲۳ ر دسمبر ۱۹۵۰ء بعد نماز عید الاضحےٰ

مولانا معنوی کی مجلس مبارک میں حاضری کی آرزو پیدا ہوئی فاتحہ خوانی کا الہام ہوا عمل کیا گیا۔ حاضر ہو گیا فرما رہے تھے خواب میں بُری بھلی باتیں جو دیکھتے ہو قیامت میں یہی باتیں اچانک تمہارے سامنے آجائیں گی مطلب یہ ہے کہ موجودہ زندگی کے خواب میں جو کچھ دیکھ رہے ہو، حشر کی بیداری میں وہی سب سامنے آجائیں گے میں اس لئے یہ سمجھا رہا ہوں کہ آج کی

بد کرداریوں کو یہ سمجھ کر ٹال دینا کہ یہ تو خواب کی باتیں ہیں صحیح نہیں ہے اس خواب کی ایک تعبیر ہے، موجودہ زندگی کی ہنسی کی تعبیر گریہ کی شکل میں رہے گی، اور یہاں کے رونے دھونے اور آہ وزاری کی تعبیر حشر میں بیداری کے وقت بہ شکل شادمانی نکلے گی۔ جوش میں فرمانے لگے۔ ارے یوسف کی پوستین پھاڑنے والو! یاد رکھو کہ بھیڑیئے کی شکل میں اپنے آپ کو پاؤ گے جب زندگی اس گہری نیند سے جاگ گئی ہوگی. یہ تمہارے باطنی اخلاق دراصل مستقل بھیڑیے ہیں جو تمہارے اندر دبکے ہوئے ہیں اور تمہاری بوٹیاں وہ اڑا رہے ہیں پھر یہ الہامی مصرعہ زبان مبارک پر جاری ہوا کہ ؏

تو مگو کہ میرم و یابم خلاص

موت کیا ختم کردے گی تمہارے اعمال کے نتائج کو ؟ موت کو نجات کا ذریعہ سمجھنے والے موت کی حقیقت سے ناواقف ہیں (موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟ یہ ایک بے بصیرت شاعر کا کلام ہے۔ مناظر احسن گیلانی رح) فرمایا، موت بظاہر تم پر نیند طاری کرتی ہے لیکن تم نے خدانخواستہ اگر خون کیا ہے تو موت کی نیند کے ساتھ ہی وہ جاگ

اٹھتا ہے، قتل کے مجرم کو قصاصاً دنیا میں جو قتل کیا جاتا ہے یہ جرم کی حقیقی سزا نہیں ہے[1] بلکہ جرم کی حقیقی سزا کے مقابلہ میں تو یہ کھیل ہے انما الحیوٰۃ الدنیا لھو ولعب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ

کایں جزا لعبے ست پیش آں جزا

مقصود قصاص یہ ہے کہ دوسروں کی ہمت سرد کر دی جائے فتنہ آگے نہ بڑھے لوگوں کو عبرت ہو مگر یہ سمجھ لینا کہ قتل ہو کر مجرم قتل اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا دھوکہ اور صرف دھوکہ ہے بلکہ اصلی سزا اس کی اس کے آگے بعد الموت حشر کے وقت نمایاں ہو گی[2]۔ دنیا والے قصاص کی سزا اور آخرت والی سزا کے فرق کو ایک دلچسپ مثال سے سمجھایا کہ آخرت والی سزا تو خصی بناتا ہے اور دنیا کی سزا کی حیثیت ختنہ کی ہے خصی جسے بنا دیا جاتا ہے اس سے بھی کچھ نکالا جاتا ہے

---

[1] و [2] بشرطیکہ مجرم اپنے جرم سے تائب نہ ہو بلکہ پکڑ دھکڑ کر اسے قتل کیا گیا ہو ورنہ اگر مجرم خود تائب ہے اور اجرائے حد کو اپنے حق میں سزائے آخرت سے تحفظ کا ذریعہ سمجھ کر قبول کرتا ہے تو انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، حدیث شریف میں ایسے تائب کامل صحابی کی مدح آئی ہے (غ۔م)

اور کاٹا جاتا ہے اور ختنہ میں کاٹا اور چھچھڑا حلقہ کا الگ کر دیا جاتا ہے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے دونوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔

آں چو اخصا است ویں چوں ختنہ است

«لاتتفکروا فی الخالق» کا مطلب

پھر قصہ موسیٰ علیہ السلام جو پہلے سے بیان ہو رہا تھا اس کی تفصیل میں مشغول ہو گئے۔ اس قصہ میں یہ بات عجیب فرمائی ؎

کاں شہے کو می ندید مدیش فاش ‏ ‏ ‏ ‏ بود با ایشاں نہاں اندر معاش

«معاش» والی زندگی میں خود خدا پوشیدہ ہے جیسے عقل تمہارے کاروبار میں پوشیدہ ہے۔ عقل اور نفس میں فرق یہ ہے کہ عقل بیدار رہتی ہے اسی لئے مجرم کو ملامت کرتی ہے لیکن نفس پر نیند طاری ہے حق تعالیٰ عقل کے قریب ہے لیکن اس قرب کی نوعیت مجہول ہے۔

تم سو جاتے ہو، لکھنے کی قوت انگلیوں سے غائب ہو جاتی ہے۔ بیداری میں واپس آتی ہے، کیسے آتی ہے؟ یا تمہاری آنکھ میں «نور» کس راہ سے داخل ہوا؟ جب یہ ہی معلوم نہیں تو تمہارا خالق تمہارے اندر تمہارے کاروبار

میں کیسے شریک ہے اس کو کیسے جان سکتے ہو، بہرحال "نور" آنکھوں میں آیا کس راہ سے آیا پورب سے آیا، پچھم سے آیا، دکھن سے آیا اتر سے آیا نیچے سے آیا؟ کیا جواب ہے؟

بے جہت داں عالم امر و صفات　　عالم خلق است با سوئے جہات

الامر و الخلق عالم کی ان دو قسموں میں بھی فرق ہے؟

پھر فرمایا کہ تمہاری عقل ؎

بستۂ فصلست و وصل ست ایں خرد　　ایں تعلق را خرد چوں پے برد

الحاصل عقل ایسے قدرتی قوانین میں جکڑی ہوئی ہے کہ "خالق" کو اپنی گرفت میں نہیں لا سکتی پس

جز کہ لا احصی نگوید او زجاں

لا تتفکروا فی الخالق کا مطلب یہی ہے ——— (مجلس ختم ہوگئی)

دفتر چہارم ———

(چھٹی مجلس) دنیوی نظام اضداد پر قائم ہے | ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۱ء

بعد نماز جمعہ مولانا معنوی کی طرف دل نے کشش محسوس کی۔ مجلس مبارک میں حاضر ہوا ارشاد ہو رہا تھا۔ بھائی! میرا کام تو کہنا ہے، کہتا رہوں گا، بلاتا رہوں گا، ؎

لیک دعوت وارد ست از کردگار　　با قبول و ناقبول او را چہ کار

نوح پیغمبر علیہ السلام نو سو سال اسی فرض کو انجام دیتے رہے، قوم نے نہ مانا تو کیا اپنی دعوت انھوں نے ترک کر دی؟ کتوں کے بھونکنے سے کارواں کہیں کبھی رکا ہے؟ یا چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر کتے عوعو کرتے ہیں پھر چاند کی حرکت کبھی سست پڑتی ہے؟

فرمایا کہ بے شک نہ ماننے والوں کے انکار سے تکلیف پہنچتی ہے لیکن ان کا انکار جہاں سرکہ پیدا کر رہا ہے تو پیدا کرنے والا اسی مقدار میں "شہد" بھی انہیں ملا دیتا ہے پس نفسیاتی کیفیت سکنجبین بن جاتی ہے ؎

چوں کہ سرکہ سرکگی افزوں کند　　پس شکر را واجب افزونی بود

یہ شہد کہاں سے آتا ہے "خم" (دل کے) اندر ایک باطنی راستہ سے دریا (ذات حق) سے آتا ہے۔ فرمایا کہ میاں! عالم کا یہ محسوس نظام اضداد پر قائم ہے، جنگ و صلح، فعل میں، قول میں، طبیعت میں ان ہی اضداد کا نام ہے ؎

ایں جہاں جنگ است چوں کل بنگری　　ذرہ ذرہ ہم چو دیں با کافری

ہاں! ذرہ آفتاب میں جب محو ہو جاتا ہے تو اب آفتاب سے جنگ ختم ہو جاتی ہے انا الیہ راجعون کی حقیقت ذرہ کو آفتاب بناتی ہے۔ ہاں! جب موجودہ نظام ختم ہو جائے گا اور دوسرا

نظام عالم قائم ہوگا تواس کی بنیاد اضداد پر نہ ہوگی یہاں تو ضد ضد کو کھائے جاتا ہے اور وہاں ضد ہی نہیں ہے توبقاء کے سوا، اور ہوگا کیا ؟ لا یرون فیھا شمسا و لا زمھریرا کی آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہاں اضداد نہیں ہیں۔

———— (دفتر ششم)

(ساتویں مجلس) وصول حق کیلئے مدت کا سوال بے معنی ہے

۲۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء آج جمعہ کا دن ہے اور اد یومیہ کے بعد خیال گذرا کہ مولانا معنوی کی مجلس میں حاضری کی سعادت حاصل کی جائے۔ نیا خیال یہ آیا کہ مثنوی کھولنے سے پہلے فاتحہ مولانا کے نام پڑھ لینا چاہئے تو مناسب ہے سورۂ فاتحہ اور ثلث قرآن (الاخلاص) کو تین دفعہ پڑھ کر ثواب مولانا کی روح کو ایصال کیا گیا اور مثنوی شریف کھلی قصہ بیان ہورہا تھا اس شاہزادے کا توفیق ربانی جس کی رفیق بنی، مولانا نے طویل عنوان اس قصہ کا خود ارقام فرمایا ہے جو بجائے خود عبرتوں سے معمور ہے شاہزادے پر وہی دن جو کل آنیوالا ہے جس میں بھائی بھائی سے بھاگے آج ہی آگیا اس پر واضح

ہوا کہ تیس مارخانوں کا طبقہ جو تودۂ خاک اور مٹی کے ڈھیر کو قبضہ میں لاکر قلعہ کشائی کا اعلان کرتا ہے۔ دراصل "کودک طبعی"، ہی اس کے یہ نتیجہ ہے! بچے مٹی کے گھروندے بناتے ہیں کوئی بچہ گھروندا بنا کر آواز بلند کرتا ہے کہ دیکھو! یہ میرا قلعہ ہے کوئی اس کے گرد نہ پھٹکے اور کمزور بچے رشک وحسد کی نگاہ سے اس قلعہ کے فاتح کو دیکھتے ہیں۔

ارشاد ہوا کہ رنگ کے مغالطہ سے بادشاہ کی روح نے خلاصی حاصل کی، کہنے لگا کہ یہ سونا یہ اطلس یہ سب کیا ہے صرف مختلف رنگ کے مظاہر کے مختلف نام ہیں، ورنہ سچ پوچھو تو "خاک ہائے رنگین"، کے سوا ان کی اصل حقیقت اور کچھ نہیں ہے۔ شاہزادے نے ایک "ہو"، کے ساتھ چھلانگ لگائی اور رنگ و بو کے عالم سے اچانک نکل بھاگا۔

مولانا نے فرمایا:۔ گو شاہزادہ نوعمر تھا لیکن (آتیناہ الحکم صبیا (بچپن ہی میں فیصلہ کی صحیح قوت عطا کی گئی) کی نعمت سے یحیٰی علیہ السلام جیسے سرفراز ہوئے تھے۔ کچھ یہی سلوک قدرت نے شاہزادے کے ساتھ کیا۔

پھر فرمایا کہ:۔ "وصول" کے لئے وقت اور مدت کا سوال

اس دربار میں بے معنی ہے جہاں کے کاروبار کی بنیاد کن فیکون کے حکم پر قائم ہے لوگ "فضل"، کے لئے قابلیت کی شرط لگاتے ہیں لیکن "کن فیکونی"، حدود میں یہ سوال بے محل ہے۔ پھر کہانی شروع ہوئی مختصر کہانی یہ ہے کہ کسی بادشاہ کا ایک ہی لڑکا بڑا نیک بخت فرزند سعید تھا خواب میں بادشاہ نے دیکھا کہ وہ مر گیا اکلوتے اور ایسے لائق سعادت مند بچے کی موت کا اثر خواب ہی میں بادشاہ پر جو کچھ ہو سکتا تھا ہوا۔ مرنا چاہتا تھا مگر موت بھی نہیں آتی تھی کہ اچانک بیدار ہو گیا جس قسم کا غم ہوا تھا جاگنے کے ساتھ ہی اسی قسم کی مسرت اور خوشی بھی اس کو ہوئی۔

مولانا نے فرمایا کہ غم بھی ایسا غم ہوا کہ مرنا چاہتا تھا۔ اور خوشی بھی ایسی ہوئی کہ مارے خوشی کے دم نکلا جاتا ہے۔

مسرت والم کے درمیان زندگی قائم ہے

خاکی بدن کے اس جان کے تعلق کی نوعیت بھی عجیب ہے۔ شدت غم میں بھی یہ تعلق ٹوٹنے کے قریب ہو جاتا ہے اور فرطِ خوشی میں بھی روح قالب سے نکلنے کے لئے بے چین ہو جاتی ہے۔

فرمایا کہ جان اس جسم کے ساتھ کچھ عجب طرح سے لٹکی ہوئی ہے غم کی پھونک سے بھی یہ چراغ بجھنے لگتا ہے اور خوشی کی پھونک سے بھی گل ہونے لگتا ہے۔

الغرض مسرت والم کے ان ہی دونوں موتوں کے خطرے کے بیچ میں "جان زندہ"، ہے ؎

درمیان این دو مرگ او زندہ است   این مطوق شکل جائے خندہ است

موت کی ان دو گرفتوں میں جکڑی ہوئی جان کا یہ تماشہ کتنا دلچسپ ہے۔

فرق نظر ہی سے ایک شئ موت بھی ہے اور زیست بھی

ایسے غمناک خواب کو قدرت نے اسی لئے دکھایا کہ جس سے بڑی خوشی بادشاہ کو ساری زندگی میں میسّر نہ آئی تھی وہ حاصل ہو، اسی لئے اس عالم کے حالات کو سمجھو ایک ہی چیز ہے ایک رخ سے دیکھو تو موت ہے اور موت ہی دوسرے رخ سے ساز و سامان کا وہی سرمایہ ہے، دیکھو! دنیا کا طمطراق جس سے خوشی پیدا ہوتی ہے آخرت میں غم والم کا سبب بن جاتا ہے۔ خوابوں میں بھی یہی ہوتا ہے کہ رونے کی تعبیر ہنسنا ہے۔

قصہ پھر شروع ہوا بیداری کے بعد بادشاہ کو جو خوشی حاصل ہوئی تو سوچنے لگا کہ خواب میں جس قسم کا شکار ہو گیا تھا اس کے سد باب کی کوئی تدبیر اختیار کرنی چاہیئے۔ آخر جو بھول بیداری میں سامنے آیا ہے کیا ضمانت ہے کہ اسی زندگی میں کانٹا نہ چبھے گا۔ آخر کچھ تو کرنا چاہیئے کانٹا جس وقت چبھے تو پھول نہ نہی بھول کی یادگار ہی سامنے ہو بادشاہ سوچتا تھا کہ اس دنیا کا حال تو یہ ہے کہ ایک سوراخ سے تباہی آنے والی ہو تو اس کے روکنے کے اسباب تو بے شمار ہیں ؎

ہم پس کد ایں رہ را بندیم ما ؟

آفات و بلیات موت کی دھمکیاں ہیں

مولانا نے فرمایا دیکھو! سیکڑوں دریچے کھلے ہوئے ہیں جن سے موت جھانک رہی ہے ان دریچوں کے کواڑوں کی آوازیں کیا ہیں موت کی دھمکیاں ہیں جو مختلف بیماریوں اور آفتوں کی شکل میں سامنے آتی رہتی ہیں لیکن حرص کی چربی سب کی آنکھوں اور کانوں پر چڑھی ہوئی ہے وہ ان کواڑوں کی آواز سے بہرے بنے ہوئے ہیں۔

مولانا نے فرمایا:۔ میں جو یہ کہہ رہا ہوں مرنے کے سو بہانے ہیں اس کا اندازہ طب کی کتاب سے نہیں ہوگا ریت کے مانند امراض نظر آئیں گے جن میں آدمی گرفتار ہوتا رہتا ہے گویا آدمی کے بدن کو ایک پنجرہ اگر فرض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہزاروں سوراخ اس پنجرے میں ہیں جن کی راہ سے موت اندر داخل ہو سکتی ہے زندگی کے ہر قدم پر بچھوؤں سے بھرے ہوئے جو بچے نظر آتے ہیں ؎

ہر دو گامے پر ز گرژ و مہا چہ است

عقلمند وہ ہے جو دل کا چراغ جلالے

اسی لئے مناسب ہے کہ جھکڑ میں بجائے ایک چراغ کے چند چراغ آدمی جلالے۔ ایک بجھ جائے تو شاید دوسرے سے کام چلے۔

فرمایا کہ جو دانش مند ہیں وہ اسی لئے جسم کے ٹمٹماتے چراغ کے ساتھ دل کے چراغ کو بھی روشن کرکے رکھ چھوڑتے ہیں مطلب ان کا یہی ہوتا ہے کہ بدن کا چراغ اگر بجھ جائے تو دل والا چراغ جلتا رہے۔

الولد سرٌ لابیہ کی توضیح

القصہ بادشاہ اسی سوچ بچار

بیٹھا تھا سمجھ میں کوئی صورت نہ آتی تھی آخر اس نے فیصلہ کیا کہ شاہ زادے کی شادی کر دی جائے تاکہ شاہ زادہ نہ رہے تو اس کی نسل باقی رہے۔

فرمایا کہ :۔ صورت کو موت ختم کر دیتی ہے لیکن معنی اولاد کی شکل میں باقی رہتا ہے۔ الولد سرٌ لابیہ (بیٹا باپ کا بھید ہے) اس قول نبوی کا یہی مطلب ہے۔

ارشاد ہوا کہ :۔ لوگ اپنا ہنر پیشہ اپنے بچے کو اسی لئے سکھاتے ہیں کہ ان کی صورت جب مٹ جائے تو معنی ان کا یا کمال ان کا زندہ رہے۔

تب بادشاہ نے طے کیا کہ کسی صالح صاحب سیرت و کردار بزرگ سے کوئی لڑکی حاصل کی جائے جس سے شاہزادے کا عقد کر دیا جائے۔ کیوں کہ کسی بدکردار بادشاہ کی لڑکی سے اچھی نسل کی پیدائش کی امید درست نہ ہوگی ،

مولانا نے فرمایا کہ چہ خوش (یعنی کیا خوب) جو بیچارہ مال و جاہ کا غلام اور قیدی ہے اسی کو لوگوں نے بادشاہ کا نام دے رکھا ہے۔ دیوانے زنگی کو کافور کے نام سے موسوم کر رہے ہیں، اور بادیہ کو عرب والے "مفازہ" (کامیابی

کا میدان) کہتے ہیں، کہتے صدر اجل ہیں جو در اصل ؎

صدر خوانندش کہ در صفِ بغال   جان او بستہ ست یعنی جاہ و مال

اصلی فقیر اور بھک منگے کا فرق

بیگم کو علم ہوا کہ اس بچے کا عقد کسی فقیر ٹٹ پونجیے سے بادشاہ کرنا چاہتا ہے تو برہم ہوئی، بولی کہ "کفو" کا مسئلہ تو عقلاً و شرعاً ایک مسلم بات ہے، بیگم نے یہ طعنہ بھی دیا کہ خرچ کے خوف سے روپیہ بچانے کے لئے تم بجائے بادشاہوں کے کسی فقیر کی لڑکی تلاش کر رہے ہو۔ بادشاہ نے بیگم سے کہا کہ تم نے بھک منگوں پر ان بزرگوں کو قیاس کیا جن کے فقر و ناداری کے نیچے قلبی غنا کا جذبہ کام کرتا ہے سمجھایا کہ فقیر کو دیکھو!

فقیر کی شناخت کا معیار

ایک پیسہ مل جانے پر ٹوٹتا ہے تو سمجھو کہ اس کے پیچھے قناعت نہیں ہے اور جو خزانوں پر لات مارے یہی فقیری بادشاہی پر بھاری ہے۔ بیگم نے کہا کہ لڑکی کا فقیر باپ دان جہیز کیا دے گا؟ ننگی کیا نہائے گی کیا نچوڑے گی؟ بادشاہ نے کہا، اور وہی اس قصے کی جان ہے کہ :۔

غم سے نجات کی راہ

دین کو جس نے غم بنا لیا سارے غموں

سے آزاد ہو گیا دین کو جس نے شکار کر لیا یقین کرو کہ حسن ومال بخت سب، طفیل میں دین کے اس کو مل جاتے ہیں اونٹ آگے آگے چلتا ہے اور اس کی مینگنی پیچھے پیچھے آتی ہے ۔ فرمایا ؎

پشم بگزینی شتر بنبود ترا　　　　در بود اشتر چہ قیمت پشم را

اون ہی پر قناعت کر کے جو بیٹھ جائے گا تو اونٹ سے وہ محروم رہے گا لیکن اونٹ کے خریدنے والے کے سامنے اون کی کیا قیمت باقی رہتی ہے ؟ ———— (دفتر چہارم)

(آٹھویں مجلس) حضور اکرمؐ کا طریق اصلاح سراسر رحمت ہے

۳ر نومبر ۱۹۵۵ء عربی وفارسی کی کمیٹی میں شریک ہونے کے لئے پٹنہ (بہار) کے عاصمہ میں بلایا گیا تھا واپسی کے بعد آج مولانا روم کی خدمت میں حاضری کی آرزو پیدا ہوئی، آرزو الحمدللہ پوری ہوئی، ایک دلچسپ حکایت بیان کر رہے تھے کہ ایک سوار گھوڑے پر سوار جا رہا تھا نظر اس کی پڑی ایک شخص پر جو سویا ہوا تھا اور ایک سانپ اس کے منہ میں گھسا ہوا تھا اس منظر کو دیکھ کر سوار کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بجز اس کے کہ جو دبوس اس کے ہاتھ میں تھا اسی سے سونے والے کے منہ پر

مسلسل اس نے چند ضرب لگائی۔ سونے والا غریب چونک کر اٹھا دیکھا کہ ایک سوار اس کے منہ پر مسلسل دبوس مار رہا ہے اچھل کر بھاگا، ترک سوار پیچھے پیچھے اس کو رگیدتے ہوئے دبوس پر دبوس مارتا چلا جا رہا تھا۔ بھاگ کر سیب کے ایک درخت کے نیچے پہنچا جس کے نیچے بہت سے سیب گرے پڑے تھے ۔ سپاہی نے کہا کہ اس سیب کو کھا۔ بے چارہ کھاتا تو منہ سے واپس ہو جاتا آخر چلا کر سونے والا سپاہی سے کہنے لگا کہ بھائی آپ کا کیا قصور میں نے کیا کہ مجھے اس طرح بلاوجہ آپ ستا رہے ہیں، اگر مجھ سے خواہ مخواہ کی عداوت ہی ہو گئی ہے تو بجائے دبوس کے زیادہ مناسب ہے کہ تلوار سے میری گردن اڑا دو آخر آج کس کم بخت کا منہ دیکھ کر اٹھا تھا کہ اس حال میں مبتلا ہو گیا ہوں ۔ سپاہی کو سونے والا طرح طرح کی بری بھلی باتیں کہتا جاتا اور بھاگتا جاتا تھا لیکن سپاہی بھی پیچھا نہیں چھوڑتا تا۔ سونے والا اٹھتا اور گرتا دبوس کی مار کھاتا آخر جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا قے کی شکل میں باہر آنے لگا اور اسی کے ساتھ سانپ بھی سونے والے کے منہ سے باہر گر پڑا۔ سانپ پر جب سونے والے کی نظر پڑی تو ہوش

اڑ گئے اور سپاہی کے احسان کے نیچے اپنے آپ کو دبا پایا۔ مولانا فرماتے تھے کہ سونے والے نے کہا کہ آپ تو میرے لئے رحمت کا فرشتہ ہیں، یا خدا ہیں، ولی نعمت ہیں، اگر یہ سانپ میرے پیٹ سے نہ نکلتا تو میرا خاتمہ ہی ہو چکا تھا۔ کیسی مبارک ساعت تھی کہ آپ میرے سامنے آئے۔ میں تو مر چکا تھا۔ دوبارہ زندگی آپ ہی کی بخشی ہوئی ہے اس موقعہ پر مولانا کے بعض اشعار یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ سونے والا دبوس مارنے والے کو کہہ رہا تھا۔

؎ اے خنک آں را کہ بیند روئے تو ۔۔۔ یا در افتد ناگہاں در کوئے تو
من گریزاں از تو مانند خراں ۔۔۔ تو مرا جویاں مثال مادراں

فرمانے لگے کہ:۔ دھوبی بے چارہ گدھے کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ بھیڑیا کہیں اسے نہ پھاڑ ڈالے مگر گدھا گدھا ہی ہوتا ہے وہ دھوبی کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔

بہرحال سونے والے نے سپاہی سے پھر معذرت چاہی کہ نادانی میں خدا جانے آپ کو میں نے کیا کچھ کہہ دیا۔ کاش! اسی بات کو کہ میرے منہ میں سانپ گھس گیا ہے آپ فرما دیتے تو میری مجال تھی کہ اس قسم کی بے ہودہ باتیں زبان سے نکالتا مگر آپ نے خاموشی کے ساتھ میرا علاج شروع کر دیا۔ اسی سے

غلط فہمی ہو گئی۔ سپاہی نے تب جواب میں کہا کہ بھائی! اگر اصل راز سے تم کو آگاہ کر دیتا تو ڈر تھا کہ مارے ڈر کے تمہاری روح نہ کہیں پرواز کر جائے ؎

گر ترا من گفتمے اوصاف مار ۔۔۔ ترس از جانب برآورد دمار

قصہ ختم کر کے حضرت فرمانے لگے کہ دیکھو انسانیت کے اندر جو دشمن چھپا ہوا ہے اگر اس کے تفصیلی حالات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو آگاہ فرماتے تو لوگوں کا زہرہ آب ہو جاتا۔ اسی لئے بجائے کہنے کے لوگوں کی تربیت اس طریقہ سے پیغمبر کرتے ہیں کہ مرض کا ازالہ ہو جائے اور مرض کی نوعیت سے وہ بے خبر رہتے ہیں۔ ابوبکرؓ کو دوست بنا کر ان کے ہاتھ کو پیغمبر نے اپنے ہاتھ میں لیا تب ریاضت کے ہتھوڑے سے ان کو درست کرنا شروع کیا جو بات ناممکن ہوتی تھی وہی ان کے لئے حال بن گئی اور جن پرندوں کے بازوؤں کے پر اکھڑ گئے تھے پھر ان میں نئے بال و پر پیدا ہو گئے۔

مولانا نے فرمایا کہ:۔

"پیغمبر کا ہاتھ"

جس پر اللہ کا ہاتھ ہے اس کی درازی کا کون اندازہ کر سکتا ہے چاند کے ٹکڑے پیغمبر کے

اسی ہاتھ سے ہوئے اور یہ بھی معمولی بات ہے ورنہ پیغمبر کے مقدس ہاتھ کی رسائی کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔

بہرحال سپاہی نے کہا کہ بھائی! جو واقعہ تھا اگر اس کا اظہار کردیتا تو جس جان کو بچانا چاہتا تھا وہی جان نکل پڑتی نہ تم میں کھانے ہی کی قوت باقی رہتی اور نہ قے کرنے کی صلاحیت ہی اپنے اندر تم پاتے تم جس وقت مجھے برُا بھلا کہہ رہے تھے اس وقت میری زبان پر "رب یسّر" کا وظیفہ جاری تھا۔ ؎

می شنیدم فحش و خرمی راندم   "رب یسّر" زیر لب می خواندم

سپاہی نے کہا ؎

از سبب گفتن مرا دستور نہ   ترک تو کردن مرا مقدور نہ

نہ سبب ہی بیان کرسکتا تھا اور نہ یہ بس میں تھا کہ تمہیں چھوڑ دیتا

؎ ہر زماں می گفتم از درد درون   اھد قومی انھم لا یعلمون

گویا پیغمبر کا حال امت کے ساتھ کچھ اسی رنگ میں ہوتا ہے جب ہدایت پانے کے بعد آدمی دیکھتا ہے کہ پیغمبر نے سانپ سے بچا لیا تب کہتا ہے ؎

دشمنی عاقلاں زینساں بود   زہر ایشاں ابتہاج جاں بود

(دفتر چہارم)

(نویں مجلس) استقامت ہی کامیابی کی ضامن ہے | ۷ نومبر سنہ ۱۹۵۰ء

مولانا روم کا خیال آیا، حاضری دی گئی، ارشاد ہو رہا تھا۔ ایک مسکین عشق کے مرض میں مبتلا ہوا ایک عورت پر اس کی طبیعت آگئی، خواب و خور غریب پر حرام ہوگئے۔

مولانا نے فرمایا کہ:۔ عشق کا قاعدہ ہے کہ شروع میں ذرا سخت پکڑتا ہے جس کی وجہ ہے کہ ؎

تا گریزد آنکہ بیرونی بود

اس عاشق کا حال یہ تھا کہ جس راستہ سے محبوبہ تک رسائی کی کوشش کرتا کامیابی نہ ہوتی تھی قاصد کو بھیجتا تو وہ راہزن بن جاتا، خط لکھتا، پڑھ کر سنانے والے غلط سلط سنا دیتے کبوتر کے پر میں باندھ کر خط بھیجتا تو وہ پر ہی گر پڑتا جس میں نامہ بندھا تھا الغرض تدبیر کی ساری راہیں اس پر بند ہوگئیں اور سوچ بچار کی جو فوج اس کے اندر تیار ہوتی رہتی تھی اس کا جھنڈا ہی گر گیا پہلے تو اس کے غم کی تسلی انتظار کے جذبہ سے ہوتی اب انتظار بھی اس کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد اس کا حال عجیب تھا کبھی سمجھتا کہ میرا مرض لاعلاج ہے اور کبھی جوش میں آتا تو اپنے

عشق کو سرمایہ حیات قرار دیتا۔ الغرض کبھی آسمان پر رہتا اور کبھی زمین پر گرتا۔

آخر میں اسی بے سرو سامانی کو اس کے لئے سامان بنا دیا گیا اور اپنے عشق کے ساتھ مانوس ہو گیا باہر سے مغموم نظر آتا لیکن اندر اس کے مسرت و نشاط کا چشمہ ابلتا رہتا تھا۔

مولانا نے فرمایا کہ :۔ سارے بنی آدم جن سے تم ملتے جلتے رہتے ہو ان کے اندر کا حال تم کو معلوم نہیں کتنے بولنے والے جو طوطی کی طرح بولنا جانتے ہیں، خاموش نظر آتے ہیں اور بہت سے چہرے جو دیکھنے میں تلخ و ترش دکھائی دیتے ہیں ان کی جان میں مٹھاس ہی مٹھاس ہوتی ہے۔

فرمایا کہ :۔ قبرستان چلے جاؤ ساری قبروں میں تم کو باہر سے خاک ہی خاک نظر آئے گی لیکن دراصل ان قبروں کا حال ایک نہیں ہے جیسے گوشت و پوست تو ہر آدمی میں مشترک ہوتا ہے لیکن گوشت و پوست کے ان ہی ڈھانچوں میں کتنے غمگین بھی ہوتے ہیں اور کتنے فرحاں و شاداں بھی۔

فرمانے لگے کہ ۔ ؏ تو چہ دانی تا نگوئی حال شان

جب تک آدمی لوگوں کی گفتگو نہ سنے اس وقت تک اندازہ نہیں کرسکتا ہے

کہ اس کے اندر کیا ہے۔ یہی حال اس دنیا کی اکثر چیزوں کا ہے۔ درخت ہلتا ہے، کلہاڑی کی ضرب سے بھی اور باد صبا کے جھونکوں سے بھی پھر کیا ہلنے کی دونوں حالت برابر ہے اسی طرح جوش و نوش تو سب دکھاتے ہیں مگر کس میں سچائی ہے اور کون دکھاوے سے کام لے رہا ہے اس کے لئے ضرورت ہے

؏ „رو د ماغی دست آور، بوشناس„

مولانا نے فرمایا کہ :۔ خیر، ہوا یہ کہ آخر آٹھ سال گزرنے کے بعد اس عاشق مسکین کی رسائی اپنی محبوبہ تک ہوئی جس کی وجہ وہی تھی کہ اپنے مقصد پر وہ ڈٹا رہا۔

سایۂ حق بر سر بندہ بود　　عاقبت جوئندہ یابندہ بود
گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے　　عاقبت زاں در بروں آید سرے

یعنی بندہ پر حق کا سایہ رہتا ہے اور ڈھونڈھنے والے پا لیتے ہیں جس دروازے کو کھٹکھٹاؤ گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس سے سر نمودار ہو گا۔

مولانا فرمانے لگے کہ :۔ بھائی یہ ناممکن ہے کہ کسی گلی میں تم کسی کے انتظار میں بیٹھو اور جس کا انتظار کر رہے ہو اس کا چہرہ نظر نہ آئے سہ

چوں نشینی بر سر کوئے کسے　　عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

کہنے لگے:۔ کسی کنوئیں سے مسلسل مٹی نکالنے والے کے سامنے آخر کسی نہ کسی دن پانی ضرور جھلک پڑے گا۔

سمجھانے لگے کہ:۔ عام قاعدہ یہی ہے کہ کوشش سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے کبھی اس کے خلاف بھی کوئی پیش آئے تو یہ ایک استثنائی بات ہوگی۔ آدمی کو چاہئے شذ و ذا اور نادر مثالوں سے متاثر نہ ہو یہ نہ کہے کہ شیطان نے اتنے دن سر رگڑا، یا بلعم باعور نے سر مارا تو کیا ہوا؟ ہمارے ساتھ بھی شیطان یا باعور کی صورت کیوں پیش نہ آئے گی۔

فرمایا کہ:۔ یہ گمراہی کی باتیں ہیں آخر تم نے کبھی یہ سنا ہے کہ کسی سال کھیتی خشک ہوگئی تو کسان نے کھیت بونا چھوڑ دیا ہو۔

مولانا نے پوچھا کہ کھا کر بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی بیمار پڑ گیا، یا لقمہ حلق میں اٹک گیا اور کھانے والا مر گیا پھر کیا لوگوں نے اس سے متاثر ہو کر روٹی کھانی چھوڑ دی۔ ہمت دلاتے ہوئے مولانا فرمانے لگے۔

دیکھو! دنیا آفتاب و ماہتاب کی روشنی سے جگمگا رہی ہے تم خدا کے لئے کنوئیں کے مینڈک نہ بنے رہو اور نہ کہو کہ ہمیں روشنی

نظر نہیں آتی۔

اور غصہ میں ارشاد ہوا کہ ہرگز ہرگز یہ نہ کہنا چاہئے کہ فلاں صاحب نے کاشت کی تھی ان کی کھیتی خشک ہوگئی یا ٹڈیوں کا دل کھیت کو اس کے چاٹ گیا ایسی صورت میں ہم کیوں کھیتی کریں۔ میرے ساتھ بھی کہیں یہی صورت پیش نہ آ جائے۔ فرمایا:۔

ہیں، مکن استیزہ، ور دکار کن　　با توکل، کشت کن، بشنو سخن

دھمکاتے ہوئے کہنے لگے۔ نادر مثالوں کو پیش کر کرکے کاروبار کو چھوڑنے والے درحقیقت قدرت سے جنگ کرنا چاہتے ہیں ان کو سمجھنا چاہئے کہ ایسا کریں گے تو اٹھنا قیامت تک نصیب نہ ہوگا اور ان نادر مثالوں کی پرواہ کئے بغیر جو کاشت میں مشغول رہے گا دیکھو گے کہ انبار خانہ کو غلّے سے اس نے بھر دیا۔

(دفتر سوم)

(دسویں مجلس) مسلمانوں کی بے دینی سے دنیا بیزاری پیدا ہوتی ہے

۱۲ر نومبر ۱۹۵۸ء مولانا معنوی کی مجلس برکت و خیر میں حاضری میسر آئی۔ مولانا اس قصہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ ایک بد آواز کریہہ الصوت موذن تھا جس گاؤں میں اذان دیتا تھا وہاں کی آبادی اس

کی آواز سے بیزار تھی، بچے راتوں کو ڈر جاتے تھے، سوتے ہوئے لوگ نیند سے چونک پڑتے۔ شورش آبادی میں پھیلی ہوئی تھی، آخر بستی والوں نے مشورہ کرکے چندہ کے ذریعہ کافی رقم جمع کی اور مؤذن صاحب کو حج پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوئے، ''زادراہ'' مہیا کردیا گیا، مؤذن قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا، منزل بمنزل گزرتا ہوا قافلہ ایک ایسے علاقہ میں پہنچا جہاں صرف غیرمسلم اقوام کے لوگ آباد تھے، مؤذن کو اذان دینے کا تو شوق ہی تھا باوجود منع کرنے کے اس نے اذان پکار ہی دی، لوگوں کو اندیشہ تھا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو، غیر لوگ ہیں ان کی عورتیں اور بچے اگر ڈر گئے تو بدلہ لینے پر آمادہ نہ ہوں۔ مگر خلاف توقع دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص ہاتھ میں کچھ تحفہ اور ہدیہ سوغات کی چیزیں لئے چلا آرہا ہے۔ اور قافلہ میں آکر پوچھنے لگا کہ آپ کے قافلہ میں مؤذن صاحب کون ہیں جنھوں نے آج اذان دی تھی ان کی خدمت میں اس حقیر نذرانہ کو پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں لوگوں کو تعجب ہوا، بولے قصہ کیا ہوا؟ اس غیرمسلم نے کہا کہ بھائی! ایک زمانہ سے ہم لوگ مصیبت میں بتلا تھے، ہماری ایک لڑکی جو حد سے زیادہ خوبصورت، خوب سیرت تھی خدا جانے اس کے دل،

میں اسلام و ایمان کا شوق کہاں سے پیدا ہوا وہ اس دین کی ایسی گرویدہ ہوئی کہ لاکھ جتن کئے گئے مگر وہ اپنے خیال سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوتی تھی۔ آخر آج جب آپ کے مؤذن صاحب نے اذان دی تو اس مہیب دہشتناک آواز کو سن کر لڑکی نے پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مسلمانوں کی اذان ہو رہی ہے۔ سننے کے ساتھ لڑکی نے کہا کہ اسلام کی اذان کی یہی کیفیت اگر ہے، تو میں اس اسلام سے باز آئی۔ ہمارے گاؤں میں آج بڑی خوشی ہے سارا گاؤں لڑکی کے اس حال پر بشاش ہے اور مؤذن صاحب کی خدمت میں اسی کا نذرانہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔

قصہ ختم کرکے فرمانے لگے کہ جیسے مسلمانوں کے اس مؤذن سے اسلام کو چھوڑ کر لڑکی کفر کی طرف واپس ہو گئی اسی طرح آج کل کے مسلمانوں کے اسلام سے لوگ بیزار ہو رہے ہیں۔ دینداروں کی بے دینی سے بے دینی پیدا ہو رہی ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ کفر کی پیدائش عموماً دین کی اسی مجازی شکل سے ہوئی ہے ورنہ دین سے ہمیشہ دین پیدا ہوا۔)

دگیارہویں مجلس، "جہانِ مردہ" اور "جہانِ زندہ" کا تقابل

مدت سے دونوں بزرگوں کی مجلسِ فیض سے غائب رہا۔ آج سنہ ۱۹۵۱ء کے پہلے ماہ جنوری کی پہلی تاریخ ہے مولانا معنوی کا خیال آیا حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی، ارشاد ہو رہا تھا، دو مستقل عالم ہیں، ایک جہان مردہ ہے اور دوسرا جہان زندہ ہے۔ ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان جہاں زندہ کی ہر چیز زندہ ہے۔ موت سے کل اور جزء دونوں پاک ہیں۔

فرمایا کہ:۔ آدمی زندہ پر عاشق ہوتا ہے زندہ معشوق سے زندگی جب نکل جاتی ہے تو مردہ لاش کو اپنی آغوش میں کون لیتا ہے۔ فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ جو زندہ لوگ ہیں ان کا جی اس جہان مردہ میں نہیں لگتا۔ جانور گھاس کھا سکتے ہیں لیکن جو آدمی ہے اس کی خوراک گھاس کیسے بن سکتی ہے۔ بلبل کا دل پھول اور چمنستان میں لگتا ہے۔ ہاں! گندہ کیڑے کو گوبر میں آرام ملتا ہے۔

فرمایا کہ:۔ عمرؓ کی عدالت جس نے نہیں دیکھی اسے حجاج کی حکومت معیاری حکومت معلوم ہوتی ہے ؎

ہر کرا عدل عمرؓ ننمود دست　　　پیش او حجاج خونی عادل ست

لڑکیاں جب　　　زندوں کے کاروبار سے ناواقف ہوتی ہیں ان کو مردہ گڑیا کھیلنے کے لئے یا بچے استعمال سے جب تک ناواقف ہوتے ہیں ان کو بجائے لوہے کے لکڑی کی تلوار کھیلنے کے لئے دی جاتی ہے۔

اس طرح انبیاء علیہم السلام کا صرف صوری نقش کا فردن کے سامنے ہے جو صرف آنکھوں کے اندر گھوم کر رہ جاتا ہے مگر جن کے سامنے نقش کے پیچھے والا عالم ہے۔ ان کو چند ٹیڑھی ترچھی لکیروں والے عالم کی پرواہ نہیں ہے

زاں جہاں ما را چو در روشنی ست　　　ہیچ ما پروائے نقش و سایہ نیست

پھر مولانا نے فرمایا۔ ایک ہی شخص کا بیرونی نقش اس جہاں میں ہے اور دوسرا نقش اسی کا چاند کی طرح آسمان پر ہے۔ پھر باہر و اندر ظاہر و باطن کے نقوش کے مسئلہ کو مختلف مثالوں سے سمجھاتے ہوئے فرمایا ؎

دست ظاہر می کند داد و ستد　　　دست باطن بر درِ فرد صمد

آخری خلاصہ یہ نکلا کہ "ظاہری نقش" زمانے کے قید خانہ میں بند ہے اور باطن زمانی حدود سے آزاد ہے ؎

ایں کہ در وقت ست باشد تا اجل ‏ ‏ ‏ واں دگر، یارِ ابد قرنِ ازل

جس پر یہ حال طاری ہوجاتا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ :۔

خلوت و چلہ برو لازم نماند ‏ ‏ ‏ ہیچ غرے مرورا عازم نماند

فرمایا کہ :۔ پانی میں ٹوکری کو کسی نے ڈالا، ٹوکری پانی سے بھرگئی اور اس غلط فہمی میں بتلا کہ درحقیقت اس کے اندر پانی ہے جب تک دریا میں رہی معلوم ہوتا تھا کہ پانی اس میں ہے لیکن جوں ہی دریا سے تعلق اس کا منقطع ہوا کچھ بھی اس میں باقی نہ رہا ؎

آں سبد خود را چو پُر از آب دید ‏ ‏ ‏ کرد استغنا و از دریا برید

در جگر چوں قطرۂ آبش نماند ‏ ‏ ‏ بحر رحمت کرد و او را باز خواند

(دفتر پنجم)

(بارہویں مجلس) حفاظتِ توبہ کی تاکید

بہت دن کے بعد مولانا معنوی کا خیال آیا حاضری آسان کی گئی، فرمارہے تھے قصہ اس شکاری کا جو جنگل میں گھاس سبزہ پھوں کی ٹوٹی بنا کر کنارے پڑا ہوا تھا اور دام کو بچھا کر گیہوں کے چند دانے وہاں ڈال دئے تھے ایک چڑیا اس طرف سے گزر رہی تھی، اس حال میں شکاری

کو دیکھ کر بولی۔ جناب آپ نے یہ جنگل کی زندگی کیوں اختیار کی ہے۔ شکاری بولا کہ موت سامنے ہے۔ مرنے سے پہلے موت کی تیاری کررہا ہوں میرا ساتھی یعنی مرگ ناگہانی میرے لئے واعظ بن گیا۔ سب کچھ چھوڑ کر میں نے جنگل کی زندگی اختیار کی ہے۔ میری روح اب دگل کے قالب میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ اندر سے آواز آئی کہ میاں تم ہمیں بھول گئے تمہاری حالت تو اس بچے کی ہے جو کبڈی کھیلنے کے لئے کپڑے اتار کر کھیل میں مشغول ہو کسی نے کپڑے اور جوتیاں اس کی اٹھا لیں۔ بچہ کھیل میں اس طرح مستغرق تھا کہ نہ کپڑے یاد رہے نہ جوتیاں جب رات آئی تب تلاش ہوئی۔ اب کیا کرے گھر جانے سے شرماتا تھا۔

مولانا نے فرمایا کہ :۔ یہی وقت ہوتا ہے کہ چور کا آدمی پیچھا سواری پر بیٹھ کر کرے سواری؟ سمجھا بھی کیا ہے، اس کا نام توبہ ہے عجیب سواری ؎

مرکب توبہ عجائب مرکب ست ‏ ‏ ‏ بر فلک تازد بیک لحظہ ز پست

مگر آدمی کو چاہئے کہ اس کی حفاظت کرے ورنہ کہیں وہ قصہ نہ پیش آئے کہ ایک غریب گھر سے "قح"، چور لے بھاگا قح والے نے پیچھا کیا کنوئیں کی مینڈ پر چور بیٹھ کر شور و ہنگامہ کرنے لگا۔ قح والے

نے کہا کہ کیا ہوا کیوں روتا ہے۔ بولا اسی کنوئیں میں میری تھیلی پانسو درہم کی گر گئی کوئی نکالے تو سو درم پانچواں حصہ اس کو دوں بیچ والے نے کپڑے اتارے کنوئیں میں اترا۔ ادھر وہ کنوئیں میں اترا اور چور اس کے کپڑے لے کر چمپت ہو گیا۔ گئے تھے کر بیچ چور سے چھینیں گے اور کھو دیا اپنا سب کچھ اسی طرح شیطان "توبہ" کی سواری سے بھی آدمی کو محروم کر دیتا ہے اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

بہرحال شکاری نے جب ترک دنیا کی ڈینگ ماری تو چڑیا نے کہا کہ تم تو مسلمان ہو اسلام میں کہاں رہبانیت جائز ہے۔ اسی موقع پر مولانا نے فرمایا :۔

مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ — مصلحت در دین با جنگ و شکوہ

شکاری نے کہا کہ یہ حکم قوت والوں کے لئے ہے۔ ہم کمزوروں کے لئے تو پرہیز ہی بہتر ہے ———— (دفتر ششم)

(تیرہویں مجلس) صرف اللہ ہی سے مانگو

بعد مغرب مولانا سے استفادہ کی گدگدی پیدا ہوئی۔ فرمانے لگے :۔

معنی اللہ گفت آں سیبویہ — یولھون فی الحوائج ھم لدیہ

صد ہزاراں عاقل اندر وقت درد — جملہ نالاں پیش آں دیان فرد

گر ندیدندے ہزاراں بار بیش — عاقلاں جاں کَے کشیدندش بہ پیش

ہیں از و خواہیدہ نے از غیر او — آب در یم جو با مجو در خشک جو

در نخواہی از دگر ہم او دہد — بر کف میلش سخا ہم او نہد

آں کہ معرض را ز رقاروں کند — رو بدو آری بطاعت چوں کند

اللہ کے معنی سیبویہ نے لکھا ہے کہ یہ ہیں، ضرورتوں میں بے تابانہ جس کی طرف توجہ کی جائے۔

فرمایا کہ :۔ بڑے بڑے دانا اور خردمند عقل کے پتلوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب درد ان کو پکڑتا ہے تو ساری عقل دھری رہ جاتی ہے اور اسی دینے والے کو پکارتے ہیں اگر تجربہ نہ ہوتا کہ فریاد رسی وہی فرماتا ہے تو لوگ اس کی طرف کیوں دوڑتے بھائی! پانی دریا سے چاہو، خشک ندی بے چاری کیا دے گی۔ پس اللہ ہی سے مانگو اس کے سوا اور کون ہے جو دے گا غیر سے بھی ملتا ہے تو دینے والا وہی ہے وہی سخاوت کے جذبہ کو حرکت میں لاتا ہے، قارون جیسے نافرمان کو جو سونا دے، فرمانبرداروں کو وہی کیا نہ دے گا۔ ———— (دفتر چہارم)

(چودہویں مجلس) "شر" اور "خلق شر"

۲ر جنوری ۱۹۵۱ء، آج مولانا رومی سے شرف

نیاز حاصل ہوا فرمانے لگے کہ ایک شخص پوچھنے لگا کہ کفر کے ساتھ راضی
ہونا بھی کفر ہے، اور کفر چوں کہ حق تعالیٰ کے قضاء کا نتیجہ ہے اسی
لئے قضاء الٰہی کے ساتھ راضی رہنا یہ ایمان ہے۔ ایمان و کفر کو
کیسے جمع کروں؟ مولانا نے اس شخص سے کہا کہ بھائی! تم نے قضاء
اور مقضیٰ کے فرق کو نہیں سمجھا۔ ایک خطاط اچھے حروف بھی لکھتا ہے
اور ان ہی حروف کو بگاڑ کر بھی لکھتا ہے ایسی صورت میں بھلائی
اور برائی کے مرجع حروف ہیں نہ کہ خطاط کا کمال ہے۔ بلکہ ؎

قوت نقاش باشد آں کہ او　　　ہم تواند زشت کردن ہم نکو

اور یہ کہ ؎

زشتیٔ خط زشتیٔ نقاش نیست　　　بلکہ از وے زشت را بنمود نیست

یعنی بُرے حروف کی برائی کو نقاش اس ذریعہ سے ظاہر
کرنا چاہتا ہے۔ پس حروف کی خرابی سے حروف کی خرابی ظاہر ہوئی
نہ کہ لکھنے والے کی بُرائی۔

اس موقع پر مولانا نے یہ فرماتے ہوئے کہ شرّ اور خلقِ شرّ کے
فلسفہ کو زیادہ بڑھاتا ہوں، تو خواہ مخواہ میرا وقت ضائع ہوتا
ہے۔ تسلی حاصل کرنے والوں کے لئے اتنا اشارہ ہی کافی سمجھا۔

(دفتر سوم)

دماغی نکتہ آرائیاں قلب کی غفلت کی نشانی ہیں

اور
اسی
کے بعد بڑے پتہ کی بات حضرت والا نے یہ ارشاد کی کہ بھائی یہ فلسفہ
یہ نکتہ نوازیاں ان ہی دماغوں میں عموماً آتی ہیں جن کا دل درد
سے خالی ہے اور دین کی فکر سے جو غافل ہیں۔ پھر ایک لطیفہ کا ذکر
فرمایا کہ کسی بڈھے نے جوان عورت سے نکاح کیا۔ اور اس کے
بعد اصلاح ساز کی دکان پر پہنچکر اس نے فرمائش کی کہ میری
داڑھی کے سفید بالوں کو نکال دو۔ اصلاح ساز جیسے غالباً مولانا
کے زمانہ میں "آئینہ دار" کہتے تھے اس نے بڈھے کی ساری داڑھی
مونڈ ڈالی اور داڑھی کے بالوں کو اس کے سامنے رکھ کر بولا کہ
سفید بالوں کو سیاہ بالوں سے اب آپ خود ہی جدا کر لیجئے۔ مجھے
تو ایک کام ہے اتنی فرصت نہیں کہ آپ کی فرمائش کی تعمیل کروں
اسی سلسلہ کا ایک دوسرا لطیفہ بھی مولانا کو یاد آگیا کہ ایک شخص
نے کسی غریب کے سر پر چپت رسید کی، چپت کھانے والا بھنا گیا اور
چاہا کہ مارنے والے سے بدلہ لے چپت لگانے والے نے کہا کہ بھائی
ذرا ٹھہرو۔ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دے دو، پھر جو چاہنا
کرنا اور وہ سوال یہ ہے کہ سر پر آپ کے جس وقت میں نے چپت رسید

کی تو تڑاق کی آواز اس سے پیدا ہوئی، اب آپ یہ فرمایئے کہ یہ آواز کس سے پیدا ہوئی ؟ آپ کی چندیا سے پیدا ہوئی یا میرے ہاتھ سے ؟ لیکن چپت کھانے والے نے کہا کہ خوب ! میرا حال تو درد سے تباہ ہو رہا ہے اور میں تکلیف سے بیکل ہوں اور آپ مجھ سے فلسفہ دریافت فرما رہے ہیں کہ آواز ہاتھ سے پیدا ہوئی یا چندیا سے ۔ آخر میں چپت کھانے والا جو درد سے بے چین تھا بولا، کہ : ۔

توکہ بے دردی ہمیں اندیش ایں   نیست صاحب درد را ایں فکر ہیں

اسی کے بعد مولانا نے فرمایا ؎

غفلت و بے دردیت فکر آورد   در خیالات نکتہ ابکر آورد

حاصل جس کا وہی ہوا کہ نت نئے نکتے اور "نکتہ ابکر"، یہ پیٹ بھروں کی باتیں ہیں بال کی کھال نکالتے ہیں لیکن دین کے درد میں جو تڑپ رہا ہے اسے ان باتوں کی کہاں فرصت اس کا کام تو فقط اس قدر ہے ؎

حکم حق را بر سر ورد می نہد   حفظ فکر خویش یکسو می نہد

درد والے صرف خدا کی باتوں پر کان لگاتے ہیں اور اپنی زندگی کو ان ہی کے مطابق بنانے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں
(دفتر سوم)

(پندرہویں مجلس) مثنوی کا ایک ظاہر ہے اور اسکے تحت اس کا باطن بھی ہے

۲ر مارچ ۱۹۵۱ء
حضرت معنوی کی مجلس فیض و برکت

تک دل نے پہنچایا، اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ ان تاریک دنوں میں ایک کوردہ گاؤں کے اندر اس روشن و پاک مجلس تک رسائی میرے لئے آسان کی گئی ۔ آج مثنوی کے نکتہ چینوں کی طرف سے ایک گونہ گرانی پائی جا رہی تھی اس کا ذکر بھی کر رہے تھے ۔ ایک دلچسپ لفظ "خریط"، استعمال فرمایا ۔ بڑی بط کو خریط کہتے ہیں اور پھر مسخروں کے لئے یہ لفظ استعمال ہونے لگا ۔ فرما رہے تھے کہ ۔سنا ! ایک گدھے تھانے سے کسی "مسخرے"، نے سر نکالا اور کہنے لگا کہ مولوی رومی کی مثنوی کا آخر لوگوں میں اتنا چرچا کیوں ہے مجھے تو اس مثنوی میں اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا کہ بار بار مولوی صاحب دہرا دہرا کر بس یہی کہتے ہیں کہ "پیغمبر کی پیروی اور اتباع ہی نجات کی راہ ہے"، یعنی خریط کہہ رہا تھا ؎

کایں سخن کیست، یعنی مثنوی   قصۂ پیغمبر است و پیروی

خریط یہ بھی کہتا تھا کہ تصوف میں کوئی کتاب مولوی صاحب اگر لکھنا ہی چاہتے تھے تو اس میں چاہئے تھا کہ صوفیہ کی گہری باتوں

کو بیان کرتے ان کے بلند اسرار، عمیق رموز کی عقدہ کشائی کرتے کچھ فنا و بقا کی تشریح کرنی چاہئے تھی۔ بتاتے کہ تبتّل کی راہ اختیار کر کے چلنے والے کس طرح ترقی کرتے ہوئے ؎

"پایہ پایہ تا ملاقات خدا"

پہنچتے ہیں، بجائے اس کے اس مثنوی میں ان قصوں اور کہانیوں کے سوا جن سے بچے خوش ہوں مجھے تو اور کوئی چیز نہیں ملتی۔ الغرض ساری مثنوی خریط کہتا تھا کہ ؎

جملہ سرتا سر فسانہ است و فسوں　　　کودکانہ قصہ بیرون و دروں

خریط کی اس جاہلانہ تنقید نے مولانا میں جوش کی کیفیت پیدا کی، جلال میں بھرے ہوئے تھے۔ فرما رہے تھے کہ بھائی! میری مثنوی کے متعلق خریط نے اگر یہ رائے قائم کی تو کیا ہوا، بداندیشوں نے تو اللہ کی کتاب کے متعلق کیا کچھ نہیں کہا۔ خود قرآن ہی سے معلوم ہو رہا ہے کہ "اساطیر الاولین"، اگلوں کی کہانیاں، کہنے والے بھی اس کتاب عزیز کے متعلق پائے جاتے تھے، وہی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ نہ قرآن میں فلسفہ ہے اور نہ حکمت نہ تحقیق ہے اور نہ عالمانہ نکات و دقائق اس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ لے دے کر کچھ تو ایسی باتیں ملتی ہیں کہ فلاں کام جائز ہے اور

فلاں ناجائز، اللہ میاں اس فعل کو پسند کرتے ہیں، فلاں فعل ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اس کے سوا کچھ آدم و ابلیس کے قصے ہیں۔ کچھ ہود و عاد والی آندھی، ابراہیمؑ کی آگ، نوحؑ کی کشتی، اس زمانہ کا طوفان یا یوسفؑ اور یعقوبؑ، زلیخا کی داستان اسماعیلؑ کی قربانی، جبرئیل کا نام، کعبہ اور ہاتھیوں کے حملہ کا ذکر، بلقیسؑ، سلیمانؑ، سبا، کے افسانے الغرض اسی طرح کچھ داؤد، طالوتؑ، شعیبؑ، یونسؑ (علیہم السلام) کی سرگزشتیں۔ مریم کس طرح حاملہ ہوئیں، ولادت کے بعد کھجور کے درخت کو ہلا کر پھل گرانے کا حکم ان کو دیا گیا۔ یا یہ کہ یحییٰ، زکریا کی دعا، سے پیدا ہوئے، صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی، اونٹنی کی وجہ سے پانی کی تقسیم کا جھگڑا پیش آیا۔ ادریس، الیاس، عزیر کے نام، قارون زمین میں کس طرح دھنسایا گیا، بنی اسرائیل وادیٔ تیہہ میں چالیس سال تک کس طرح بھٹکتے رہے۔ موسیٰؑ کو درخت میں آگ نظر آئی ان کی لاٹھی اژدہا بن کر لہرانے لگی، عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے۔ ذوالقرنین، خضر کے قصے اور کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف، ان کے چند معجزات، کہنے والے کہتے تھے کہ ان ہی چند سیدھی سادی باتوں کے سوا،

قرآن میں دھرا کیا ہے۔

مولانا پھر اسی خریطہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ جب قرآن کے متعلق مخالفوں کی طرف سے یہ لطیفے پھیلائے جا رہے تھے تو قرآن نے اعلان کیا تھا کہ اگر اتنی ہی سادی اور سیدھی باتوں پر قرآن مشتمل ہے تو پوری کتاب کا نہ سہی اس کی ایک سورۃ یا ایک آیت ہی کا جواب بنا کر پیش کرو۔ قرآن ہی نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ انس و جن مل کر بھی اس کی کوشش کریں گے تو کامیاب نہ ہوں گے۔

(بظاہر مولانا بھی شاید یہی فرمانا چاہتے تھے کہ میری مثنوی بھی اگر واقعی جیسا تم کہتے ہو کوئی ہلکی پھلکی کتاب ہے تو کیوں لکھنے والے اسی قسم کی مثنوی لکھ کر اپنے آپ کو اور اپنی کتاب کو دنیا میں مقبول بنانے میں کامیاب نہیں ہوتے مگر یہ میرا اضافہ ہے مولانا نے یہ نہیں فرمایا۔ (مناظر احسن گیلانی)

مولانا کو تو موقع مل گیا قرآن پر بحث کرنے کا اور خریطہ کو اسی کے خبط کے حوالے کر کے فرمانے لگے کہ قرآن کا ایک تو ظاہر ہے اس ظاہری پہلو کے نیچے باطنی پہلو بھی اس کتاب کی آیتوں کے ہیں باطن میں بھی چند طبقات ہیں باطنی پہلو کی ایک تہہ تک پہنچنے کے

بعد جب دوسری باطنی تہہ سوچنے والوں کے سامنے آتی ہے تو وہ ششدر و حیران ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یوں ہی تہہ کے بعد تہوں کا سلسلہ ملتا ہی چلا جاتا ہے۔ تیسری تہہ تک پہنچنے کے ساتھ ہی آدمی کی عقل گم ہو جاتی ہے آگے تو ایک حد ایسی بھی آتی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔

فرمانے لگے کہ بھائی! لوگ آدمی کے قالب کو دیکھ کر تو وہی رائے قائم کر سکتے ہیں جو ابلیس نے کی تھی کہ مٹی اور پانی سے مل کر جو کیچڑ تیار ہوئی تھی اسی کیچڑ میں زندگی پیدا ہو گئی۔ ورنہ "اصل اس کی کیچڑ ہے"۔ یہ ایک شیطانی مغالطہ ہے، کہنے لگے میاں! اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پہاڑوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں لیکن سچ پوچھو تو آبادی میں بھی جس وقت وہ رہتے ہیں اس وقت بھی عوام کے لحاظ سے وہ پہاڑوں ہی میں چھپے رہتے ہیں اور پہاڑوں کی بلندی پر بھی جو قیام فرما ہیں کیا ان کی حقیقی بلندی یہی ہے؟ تمہارے سامنے وہ پہاڑ پہ نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ساتوں آسمانوں سے بھی وہ اونچے ہیں۔ بہرحال جن لوگوں کو آسمان بھی نہ چھو سکتا ہو ان کو ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ پہاڑوں پر جا کر اپنے آپ کو مخلوقات کی نگاہوں سے چھپائیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ جن، بھوت

پری، نگاہوں سے پوشیدہ ہیں لیکن ان کو یہ شاید معلوم نہیں کہ واقعی انسان کی جو اصل حقیقت ہے وہ دیو اور پری سے بھی زیادہ مخفی اور پوشیدہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی جو اژدہا بن جاتی تھی، اژدہا بننے کے وقت ایک سانپ کی صورت میں وہ نظر آتی تھی مگر درحقیقت یہ اژدہا ایسا تھا کہ کائنات کو اپنے اندر چاہتا تو ہڑپ کر لیتا۔ ؎

ظاہرش چوبے و لیکن پیش او کون یک لقمہ، چو بکشاید گلو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے کچھ حروف اور الفاظ نکلے تھے لیکن یہ ایسے حروف اور الفاظ تھے جن سے زندگی مُردوں کے بدن میں واپس آجاتی تھی کہ مسیح علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے الفاظ کو نہ دیکھے نظر اس پر رکھے کہ مردہ جو پڑا ہوا تھا کلبلا کر اٹھ بیٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو کیا دیکھتے ہو اس کو دیکھو کہ سمندر کو پھاڑ کر اس نے رکھ دیا۔
مولانا پھر جوش میں آگئے اور فرمانے لگے میاں گرد کو کیا دیکھتے ہو اس سوار کو دیکھو جو اس گرد میں چھپا ہوا ہے ؎ ——— (دفتر سوم)

(سولہویں مجلس) تنہا عقل محافظ حدود نہیں ہو سکتی!

۲۲ مئی ۱۹۵۱ء
حضرت معنوی

کی مجلس انس و افادہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اس وقت قصّہ کے رنگ میں تقریر اس مسئلہ پر فرما رہے تھے کہ ،، وقت جب آئے گا تو ہم اپنی عقل سے کام لے کر مشکلات پر قابو حاصل کر لیں گے ،، اس قسم کا دعویٰ ہر عامی آدمی کے لئے مناسب نہیں ہے عقل تو بے شک لوگوں میں ہوتی ہے لیکن عقل سے کام لینے کے لئے جس عزم اور ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے اس سے عموماً لوگ محروم ہوتے ہیں فرمانے لگے کہ ایک صاحب تھے جن کی لڑکی جوان ہو گئی فکر شادی کی ہوئی کفو اور خاندان میں مناسب بر نہیں ملا مجبوراً غیر خاندان کے لڑکے سے لڑکی کا عقد کر دیا مگر اسی کے ساتھ لڑکی کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ کرنے کو تیرا عقد گو اس مرد سے میں نے کر دیا ہے لیکن یہ خاندان کا آدمی نہیں ہے اور اس کا بھروسہ نہیں کہ نباہنے کی کوشش کرے گا۔ ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ کوئی اولاد اس سے پیدا نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اولاد پیدا کر کے خود رفوچکر ہو جائے اور بچے کو تیرے گلے کا طوق بنا کر مصیبت میں مبتلا کر دے
مولانا کے اصل اشعار یہ ہیں ؎

گفت دختر را کزیں داماد نو خویش را پرہیز کن حامل مشو
کز ضرورت بود عقد ایں گدا ایں غریب خوار را نبود وفا

ناگہاں بجہد کند ترک ہمہ   بر تو طفل او بماند مظلمہ،

لڑکی باپ کی نصیحت کو سنتی اور عرض کرتی کہ میں ایسا ہی کروں گی ہر دوسرے تیسرے دن باپ کا دستور تھا کہ لڑکی کو یاد دلاتا اور مزید تاکید کرتا۔ مگر خلوت میں میاں بیوی جمع ہونے لگے تو باپ کی نصیحت بے کار ثابت ہوئی، لڑکی حاملہ ہو گئی۔ باپ نے پوچھا کہ یہ کیا کیا؟ لڑکی نے جواب دیا کہ اباجان روئی آگ کے سامنے لائی جائے گی تو جلنے سے کیسے محفوظ رہ سکتی ہے اور یہاں واقعہ یہ ہے کہ ؎

،،آتش و پنبہ ست بیشک مرد و زن،،

اس زمانہ میں بھی ،،مخلوط سوسائٹی،، کے علمبرداروں کی طرف سے یہی نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ عقل کے زور سے حدود کی حفاظت میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن وقت پر عموماً تجربہ اسی کا ہوا کہ عقل کے استعمال صحیح کا موقع نہ ملا اور روئی میں آگ لگ گئی ——— (دفتر پنجم)

دسترہویں مجلس ،،ہمجنسی میں عجیب جاذبیت ہے

۸ ؍ جولائی ۱۹۵۱ء

آج ۲ ؍ تاریخ عید کی ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت معنوی کی محفل مقدس کا خیال

آیا۔ مجلس جمی ہوئی تھی صفِ نعال میں شریک ہو گیا فرما رہے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایک عورت ہانپتی کانپتی حاضر ہوئی عرض کرنے لگی حضرت میرا بچہ چھت کی نالی کے پاس ایسی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا ہے کہ کسی کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی اور بلاتی ہوں تو اندیشہ ہے کہ خوف سے وہ گر نہ پڑے کوئی صورت نجات کی سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تدبیر اس کی یہ ہے کہ اسی بچہ کا ہمجولی لڑکا ہو اس کو سامنے لے آؤ اپنے ہم عمر ہمجولی کو دیکھ کر تمہارا بچہ خود بخود اس کے پاس آ جائے گا۔ عورت نے یہی کیا، تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ بچہ اپنے ہمجولی بچے کو دیکھ کر خوشی سے اس کے پاس آ گیا۔ یہ تھا تو قصہ اب مولانا قصہ کے نتائج کی طرف متوجہ ہوئے یاد دلایا قرآن میں پیغمبروں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ بشر کی صورت میں وہ کیوں بھیجے جاتے ہیں یہی ہم جنسی کا راز ہے۔ ؎

،،زانکہ جنسیت عجائب جاذبی ست،،

اسی کے ساتھ ارشاد ہوا کہ جہاں کہیں تم کو طالب نظر آئے سمجھو کہ وہ اپنے ہم جنس ہی کا طالب ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ادریسؑ آسمان پر گئے تو اسی لئے گئے کہ ملکوتی الصفات ہو چکے تھے۔ عالم

ملکوت کی طرف کھنچ گئے اور جیسے وہ بلندی کی طرف گئے جن لوگوں کو شیطانی صفات سے مناسبت تھی وہ شیطان کی طرف جھک پڑے مولانا نے فرمایا کہ

شیطان کی طرف انسان کیوں جھکتا ہے؟

سب سے پہلی علامت اس بات کی کہ شیطان کی طرف آدمی جھک گیا، یہ ہے کہ شیطان کی پہلی بُرائی یعنی حسد کا شکار ہو جائے یہ پہلا مرض ہے جس کا شیطان میں ظہور ہوا۔ فرمایا کہ حاسد غریب کا عجب حال ہوتا ہے

ہر کرا دید او کمال از چپ و راست　　از حسد قولنجش آمد، درد خواست

الغرض کمال ظہور کسی میں ہونا شرط ہے اور حاسد غریب پر قولنج کے دورے پڑنے لگتے ہیں درد سے تڑپتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ

زانکہ ہر بدبخت خرمن سوختہ　　می نخواہد شمع کس افروختہ

اپنی کھلیان میں آگ لگا کر چاہتا ہے کہ کسی کے گھر میں دیا روشن نہ ہو۔ ——— (دفتر چہارم)

علاجِ حسد

مولانا نے فرمایا کہ حسد کے مرض سے نجات پانے کی ایک ہی راہ ہے کہ آدمی خود اپنے اندر کسی کمال کو پیدا کرلے۔ جب خود صاحب کمال ہوگا تو دوسروں کے کمال کو دیکھ

کر نہ جلے گا۔ جلتے وہی ہیں جو خود کمال سے خالی ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جیسے خود مفلس ہیں دوسرے بھی مفلس ہو جائیں۔ (اور سارے کمالات میں بڑا کمال یہ ہے) کہ آدمی کسی باطنی شغل میں مشغول ہو جائے۔ ایک گھونٹ بھی اس شراب کی جسے میسر آجاتی ہے پھر اسی میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ پھر اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ سارے جہان میں کیا ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ایک مٹھی بھنگ میں خاصیت ہے کہ پینے والوں کو دونوں جہان سے تھوڑی دیر کے لئے غافل بنا دے۔ پھر باطن والی شراب کی خاصیت کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ نیند ہی کو دیکھو! طاری ہوئی اور دونوں جہان سے آدمی بے خبر ہو گیا۔ تم نے سنا ہوگا غریب مجنوں کمال کے عشق میں ایسا دیوانہ ہوا کہ سارے دوست و دشمن کی تمیز جاتی رہی۔

الغرض قدرت نے انسان کے اندر احساسات پیدا کئے ان احساسات کے لئے ایسی دوائیں قدرت نے مقرر کر رکھی ہیں جن میں ان کا مداوا ہے۔ مگر مستی پیدا کرنے والی اس شراب کے استعمال سے پہلے ضرورت ہے کہ استعمال کرنے والا دیکھے کہ اس کی یہ مستی استعمال کرنے والے کو کدھر لے جاتی ہے ایک

شراب وہ بھی ہے کہ پینے والا نفس کی خواہشوں میں غرق ہو کر سب کچھ بھول جاتا ہے اور شراب ہی کی ایک قسم وہ بھی ہے جو عقل کو ایک منزل سے منزل کی طرف کھینچ کر پہنچاتی ہے۔ حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ آسمانوں کے خیموں کو پھاڑ کر آگے کی راہ آدمی کے سامنے لے آتا ہے۔ پس صرف "مستی" مطلوب نہیں ہے، بلکہ مست آدمی کس میں ہوا ہے۔ دیکھنے کی بات صرف یہ ہے۔ آخر گدھا بھی تو مست ہی ہوتا ہے لیکن کس چیز کا مست؟ جَو کی چند مٹھیوں کا۔ اور مسیح علیہ السلام بھی مست تھے کس کے؟ حق کے۔

بہر حال ؎

ہیں بہر مستی دلا غرہ مشو — ہست عیسیٰ حق خرِ مست جَو

شراب خمخانوں میں بھری ہوئی ہے احتیاط شرط ہے۔ کس خم کی شراب پی رہے ہو پہلے چکھ کر اندازہ کرلو، تم کو مست کرنے والی شراب ان ہی خمخانوں میں ایسی بھی مل جائے گی کہ ؏

"مستیت آرد، کشاں تا رب دیں"

دین والے رب کی مستی جس سے پیدا ہو اسی شراب کو تلاش کرو ؎

تا رہی از فکر و وسواس و حیل — بے عقال عقل در رقص الجمل

یعنی یہی وہ مستی ہے جو آدمی کو اس مہلک مرض سے شفا بخشتی ہے

جس کا نام "وسواس" ہے، اور جیسے اونٹ ناچنے لگتا ہے اس شراب کا مست عقل کے بکھیڑے (عقال) سے نکل کر محوِ رقص ہو جاتا ہے۔ (دفتر چہارم)

انبیاء کی طرف کون جھکتے ہیں؟

اس ناسوتی عالم میں حضرات انبیاء علیہم السلام بشری صورت، ملکی سیرت کے ساتھ پیدا کئے جاتے ہیں ان کے دامن کو وہی تھامتے ہیں جو ان سے مناسبت رکھتے ہیں، آگ اور ہوا، دونوں کا قدرتی میلان بلندی کی طرف ہے۔ جب ان کو اپنے حال پر چھوڑا جائے اوپر ہی جا نا چاہیں گے۔ خالی گھڑے کو جس میں ہوا بھری ہو تم دریا میں الٹ کر رکھ دو یا سمندر میں لیکن کبھی وہ پانی کے اندر نہ جائے گا۔ اوپر ہی تیرتا رہے گا جس کی وجہ یہ ہے کہ ؏

کہ دلش خالی ست در دے باد ہست

پس سہ میل بادش چو سوئے بالا بود — ظرف خود را ہم سوئے بالا کشد

آدمی میں عقل بھی ہے اور نفس بھی، عقل جس پر غالب ہے وہ پیغمبروں کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور نفس جس پر مستولی ہے شیطان کی طرف گھسٹتا ہے ——— (دفتر چہارم)

(اٹھارہویں مجلس) قربِ حق کی دو قسمیں

حضرت معنوی کی مجلس معنی وحقیقت کا ولولہ موجزن ہوا حضوری کی سعادت کے ساتھ فوائد یہ حاصل ہوئے۔ فرمارہے تھے قصّہ اس گیدڑ کا جو رنگریز کے ٹب میں غوطہ کھا کر نکل آیا تھا جس کی وجہ سے طرح طرح کے رنگ سے گیدڑ کی کھال رنگین ہوگئی۔ باہر نکلنے کے بعد گیدڑ کو اپنے رنگ کے متعلق غلط فہمی ہوئی۔ خیال کرنے لگا کہ ایک قسم کا طاؤسی جسم قدرت کی طرف سے مجھے عطا ہوا ہے۔ اب معمولی صحرائی گیدڑوں کے مانند میں باقی نہ رہا۔ میں اور کچھ ہو گیا ہوں دوسرے گیدڑوں نے دیکھا کہ ہم لوگوں سے کچھ کنارہ کنارہ یہ رنگین گیدڑ رہنے لگا۔ ایک گیدڑ پہنچا اور بولا۔ بھائی! آپ ہیں کس حال ہیں؟ آپ کو کیا ہوا کہ ہم لوگوں سے کچھ الگ الگ رہنے لگے۔ اس نے کہا کہ تم نے یہ کیا مکر و فریب کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ تمہاری حالت تو اس شخص کی معلوم ہوتی ہے جسے دنبے کی کھال مل گئی تھی۔ کھال میں کچھ چربی لگی تھی گھر سے جب نکلتا تو مونچھ میں اس چربی کو مل لیتا۔ اور دوستوں میں بیٹھ کر مونچھ کو تاؤ دیتے ہوئے باور کراتا کہ گھر میں بہترین بریانی اڑا کر آرہا ہوں لیکن اس کا

پیٹ اندر سے کوستا کہ خدا تیری مونچھ کو اکھاڑے۔ بندۂ خدا! اگر تو لوگوں کو جھوٹ باور نہ کراتا پھرتا کہ آج میں نے یہ کھایا ہے وہ کھایا ہے تو شاید تیرے حال پر رحم کھا کر کوئی کچھ کھلا دیتا، یا کوئی دوست ہی تیری دعوت کردیتا۔ کم از کم اپنا واقعی حال لوگوں پر نہ کھولتا تو یہی کرتا کہ چپ رہتا۔ لیکن اب سن چمڑا دنبہ کا جس میں چربی لگی ہوئی تھی اسے بھی بلّی لے بھاگی اب اپنی مونچھ میں تو کیا لگائے گا؟

اسی سلسلہ میں مولانا فرمارہے تھے کہ "قربِ حق" کی دو مستقل قسمیں ہیں۔ خلق اور رزق کا قرب تو ایسا قرب ہے جس میں ہر خاص و عام کی حیثیت برابر ہے۔ اور قربِ حق کی دوسری قسم کا نام "قربِ وحی و عشق" ہے۔ یہی قسم قرب کی اولیاء اور انبیاء کے ساتھ مختص ہے۔

فرمایا کہ آفتاب کے ساتھ سوکھی شاخ کو بھی قرب کی نسبت حاصل ہوتی ہے اور شاخ تر کو بھی لیکن شاخ تر آفتاب کی گرمی سے شیریں اور مزیدار میووں کو پیدا کرتی ہے اور خشک شاخ کی خشکی میں خشکی کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

(انیسویں مجلس) "الم نشرح" کی توضیح!

۱۷ اگست ۱۹۵۱ء

عجیب بات ہے آج کل سورۂ الم نشرح کے متعلق دل میں خیال گذر رہا تھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ العسر (دشواری) کے ساتھ "یسر" کو اطلاقی رنگ دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ پیدا کیا گیا کہ کسی متعین دشواری کے ساتھ "یسر" اور آسانیوں کی متعدد شکلیں پیدا ہوتی ہیں ؎

اذا اشتدت بک البلوی ففکر فی الم نشرح

فعسرٌ بین یسرین اذا فکرتہ فافرح

والا شعر مدرسوں میں عام طلبہ کی زبانوں پر چڑھا ہوا ہے۔ لیکن نیا خیال یہ ذہن میں آیا کہ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یاد دلایا گیا ہے کہ آپکے بند سینے کو ہم نے کھول دیا یعنی غیبی علوم کے دروازے وحی کے ذریعہ آپ پر کھل گئے۔ پھر آپ کو تنہا اس دنیا میں کھڑا کر دیا گیا، جو کفر و شرک سے بھری ہوئی تھی۔ کتنا بڑا بوجھ تھا جو آپ پر لادا گیا اور اسی کا نتیجہ ہوا کہ اپنے گھر تک کے لوگ حتیٰ کہ حقیقی چچا ابولہب جیسے لوگ تک دشمن ہو گئے وطن کو چھوڑنا پڑا۔ بڑا بوجھ تھا جس نے کمر ہی توڑ دی مگر بوجھ جس نے لادا تھا اسی نے اتار

بھی دیا۔ دس لاکھ مربع میل عرب کی سرزمین آپ کے حیطۂ اقتدار میں آگئی، کامیابی اور کیسی کامیابی۔ "اتار دیا ہم نے اس بوجھ کو جس نے توڑ دی پیٹھ تیری"، اور بے مادر و پدر، ان پڑھ امی، صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اتنی رفعت بخشی گئی کہ نسل انسانی میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کون نشان دہی کر سکتا ہے کسی ایسے آدم زاد کے نام کی جس کا نام چوبیس گھنٹوں کے اندر تیرہ سو سال سے ایشیا کے ہر ملک عرب، شام، مصر، ایران، سندھ و ہند، جزائر شرقی و غربی، چین میں بھی لیا جاتا ہے اور افریقہ کے بھی اکثر حصوں میں اور یورپ کے بھی بہت سے علاقوں میں اولاً ایسی شخصیت ہی نہیں ملتی جس کی شہرت کا دائرہ اتنے وسیع ممالک کو محیط ہو اور پنج وقتہ اذان میں رفع ذکر کی یہ صورت کسی کے لئے اختیار ہی نہیں کی گئی۔

الغرض عدم شرح کے بعد شرح صدر، پشت شکن بار کے بعد اس بار گو کامیابی کے ساتھ اتارنا اور چاہیئے تھا کہ جس سے زیادہ گمنام کوئی نہ ہوتا اسی کو ساری نسل انسانی میں رفع ذکر کی ایسی نعمت بخشی کہ جس کی نظیر تاریخ میں موجود نہیں۔ ان واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ دعویٰ اگر کیا جائے کہ

ہر "دشواری"، اسی لئے آتی ہے تاکہ یسر اور آسانی کی لذت آدمی
کو محسوس ہو۔ بند آنکھ والے ہی کھلی آنکھ کی لذت کو، بوجھ سے
جو دبایا جا رہا ہے وہی بوجھ اترنے کی مسرت کو اور گمنام ہی
نام آوری کی شہرت کی قدر و قیمت پہچان سکتا ہے، یہی خیال
دماغ میں چکر کھا رہا تھا دل کو سمجھاتا تھا کہ "دشواری"، جب آئے
تو یہ سمجھو کہ "یسر" اور آسانی کی لذت سے قدرت تم کو سرفراز
کرنے والی ہے۔ آج مجلس معنوی میں حاضری ہوئی تو ہمیشہ کی
طرح اسی خیال کا اعادہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ؎

رنج و غم را حق پئے آں آفرید تا بدیں ضد خوشدلی آید پدید

اور یوں بھی تو سوچئے ایک شاہزادہ بادشاہ کے گھر پیدا
ہوتا ہے، پیدا ہونے کے ساتھ ملک کے ایک سرے سے دوسرے
سرے تک اس کے نام کا چرچا پھیل جاتا ہے، شہر شہر قصبہ قصبہ
گاؤں گاؤں میں لوگ اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں اس شاہزادے
کو وہ لذت کیا مل سکتی ہے جو ایک گم نام دیہاتی بچے کو اس وقت
ملتی ہے جب پڑھ لکھ کر وہ زندگی کے میدان میں قدم رکھتا
ہے اس کی تقریروں، تجربہ، اصابت رائے، سنجیدہ افکار
سے دنیا متاثر ہوتی ہے ہر جگہ اس کا چرچا پھیلتا ہے۔ یقیناً

گمنامی ہی کے بعد نام آوری سے مسرت ملتی ہے۔
رنج و غم کی یہ کتنی زبردست قیمت ہے یوں رنج و غم سے
مسرت اور خوشدلی کی نعمت کو چکھ لینے کے بعد اس داورِ بے ہمال
کے تشکر سے چاہیئے کہ دل لبریز کر لیا جائے۔ اس "العسر" سے "یسر"
کو نکالا فاذا فرغت یعنی جب العسر سے یسر کی پیدائش کے تجربات
سے گزر کر "خیر و شر"، والی اس زندگی کو ختم کر لو، تو الی ربک
فارغب اپنے پالنے والے کی طرف چل پڑو، دنیا ہی کے بعد تو
جنت کا مزہ ملے گا۔ اگر آدم علیہ السلام کی طرح ہم جنت ہی میں
پیدا ہوتے، اسی میں جوان ہوتے تو جنت بھی شاید ہمارے
لئے اسی طرح بے مزہ ہو کر رہ جاتی جیسے سنتے ہیں کہ کشمیر کے
باشندے ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو ہزارہا ہزار روپے صرف
کر کر کے وہاں مرغزاروں، اور گل و گلزار کی بہاروں کو دیکھ
دیکھ کر سر دھنتے ہیں۔ مولانا عبد الباری ندوی کہتے تھے کہ
کشمیریوں کو دیکھا کہ ان باہر سے آنے والے تماشائیوں کے
تاثرات پر کشمیریوں کو تعجب ہوتا ہے کہ آخر انھیں مسرت کیا
مل رہی ہے۔ مجلس معنوی میں دراصل ذکر ہو رہا تھا "نور"، کا
فرما رہے تھے رات بے نور ہو جاتی ہے۔ رنگ حالاں کہ باقی رہتے

ہیں لیکن نور کے نہ رہنے سے رنگ بھی نظر نہیں آتا پہلے رنگ پر نور منعکس ہوتا ہے اور نظر آدمی کی نور پر پڑتی ہے نور کے توسط سے رنگ نظر آتا ہے جیسے باہر میں یہ ہوتا ہے کہ آفتاب اور دوسرے اجرام نیّرہ کا نور رنگ پر پڑتا ہے تب رنگ نظر آتا ہے۔ آدمی رنگ ہی میں غرق ہو جاتا ہے اور نور کی طرف دھیان نہیں جاتا کہ یہ سارا کرشمہ اسی طرح فرمایا کہ آدمی کے باطن میں بھی سبز و سرخ و زرد رنگ نظر آتے ہیں طریقہ ان رنگوں کے دیکھنے کا یہ ہے کہ ؎

دردروں خود بیفزا دردرا — تا ببینی سبز و سرخ و زرد را

مولانا نے سمجھایا کہ بیرونی رنگ جیسے نور کے بغیر محسوس نہیں ہوتا اسی طرح اندرونی نور بھی یقین کرد کہ نور ہی کے توسط سے نظر آتا ہے،، بیرونی جیسے آفتاب کے نور سے نظر آتا ہے اسی طرح اندرونی رنگ کو غیبی نور کے توسط سے آدمی پاتا ہے فرمایا ؎

ایں بروں از آفتاب و سہاست — کوز نور عقل و حس پاک و جداست

گویا دل کا نور، خود بالذات نور نہیں ہے بلکہ نور خدا کے سرچشمہ سے اس کا تعلق ہے یہ نور خدا نہ حواس کی گرفت میں آتا ہے

اور نہ عقل کی، مثال مولانا نے دی ؎ "جاں ز پیدائی و نزدیکیست گم،،
اسی طرح نور حق بھی اپنی پیدائی اور نزدیکی کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا۔ نور حق کے سوا انوار ہیں چوں کہ ان کی ضد تاریکی ہے اور ضد کا احساس اس کی ضد کے احساس سے ہوتا ہے خوشدلی کا احساس رنج دلی میں گرفتار ہونے کے بعد ہوتا ہے لیکن نور حق کا چوں کہ ضد نہیں ہے اس لئے اس کو کیسے محسوس کرایا جائے ؎

"چوں کہ حق را نیست ضد پنہاں بود،،

اور یہی مطلب حضرت والا کے اس شعر کا ہے ؎

نور حق را نیست ضدے در وجود — تا بضد اورا تواں پیدا نمود

(دفتر اول)

(بیسویں مجلس) راہِ صفا کی جفاؤں کی حقیقت — ۲۶ / اگست ۱۹۵۱ء

آج کل برسات کا مہینہ ہے۔ ہندی میں اس کو بھادوں کہتے ہیں، اس سال برسات کی ابتداء عجیب طریقے سے ہوئی۔ ابتداء میں ایک اچھی، بلکہ کافی سے زیادہ بارش ہوئی، اس کے بعد بند ہو گئی۔ حال یہ ہے کہ کبھی کبھی ناکافی ترشح ہو جاتا ہے جس علاقہ میں مقیم ہوں، یہاں دھان کی کاشت اصلی کاشت

ہے۔ چوں کہ دیہات ہے، کاروبار ہی یہاں کاشت کاری ہے بارش کے نہ ہونے سے سارا گاؤں اداس ہے۔ خود فقیر کے ہاں بھی کچھ کھیتی ہوتی ہے اور غذائی سرمایہ خاندان کا اسی سے حاصل ہوتا ہے سخت پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔ ساون کا مہینہ یوں گزرا کہ تجربتہً اس میں مغربی ہواؤں سے بارش ہوتی ہے مہینہ بھر صرف مشرقی ہوا چلتی رہی۔ اب بھادوں کا مہینہ آیا اس میں مشرقی ہوا سے بارش ہوتی ہے۔ اچانک بھادوں میں ہوا کا رخ بدل گیا۔ اب مغربی ہوا چل رہی ہے۔ آج دل گھبرایا، حضرت معنوی کی مجلس کا خیال آیا۔ حاضری کی سعادت میسر ہوئی ارشاد ہو رہا تھا۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو صفائی کے آرزومند ہیں، چاہتے ہیں کہ روح کی صفائی حاصل ہو۔ مگر جب ان کو صیقل کرنے کے لئے جفا کا ظہور ہوتا ہے تو اِدھر اُدھر بھاگتے ہیں شعر یہ تھا۔ فرمایا ؎

من عجب دارم زجویائے صفا   کو رَمد در وقت صیقل از جفا

عشق تو ایک دعویٰ ہے۔ ہر دعویٰ کے لئے گواہ کی ضرورت ہے گواہ کے بغیر دعویٰ صرف ہوا ہے، آدمی کو تو چاہئے کہ دعویٰ دائر کرنے کے بعد قاضی کے اجلاس سے گواہوں کے پیش کرنے

کا جو حکم ہو تو بخندہ پیشانی گواہوں کو حاضر کر دے۔ اس حکم پر کُڑھنے اور افسردہ خاطر ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ گنج (خزانہ) وہی پائے گا جو سانپ (مار گنج) کا بوسہ دینے پر تیار ہو گیا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ صفا کے لئے جو جفا کا ظہور ہوتا ہے تو اس جفا کا رُخ صفا چاہنے والے کی ذات کی طرف ہوتا ہے حالاں کہ رُخ اس کی طرف نہیں بلکہ صفا کو مکدر کرنے والے صفات کا ازالہ اس جفا سے مقصود ہوتا ہے۔ کمبل گرد سے اٹا ہوا ہوتا ہے لوگ اس پر لاٹھی مارتے ہیں تو یہ لاٹھی کمبل پر پڑتی ہے یا گرد پہ ؎

بر نمد چوبے کہ آں را مرد زد   بر نمد آں را نزد بر گرد زد

گھوڑے پر کوڑا مارنا کیا گھوڑے کو مارنا ہے یا گھوڑے کی بدعنوانی پر یہ کوڑے اس لئے پڑتے ہیں تاکہ وہ اپنی چال کو درست کرے بہر حال جب انگور کے شیرہ کو قید نہ کیا جائے گا وہ شراب کی شکل کیسے اختیار کر سکتا ہے۔ ایک یتیم کو استاد نے تھپڑ مارا دیکھنے والا بگڑا کہ یتیم کو ستاتے ہو، مارتے ہو، استاد نے کہا کہ یتیم کو میں نے کیا مارا بلکہ اس شیطان (دیو) کو میں نے چپت لگائی ہے جو اس لڑکے کے اندر چھپا بیٹھا ہے، ماں بچے

سے کہتی ہے کہ "مر بھی جائے" تو بچے کو نہیں کہتی، بچے کی بری عادت کی موت کی آرزو کرتی ہے۔ مولانا نے اسی کے بعد فرمایا "آدمی کو چاہئے کہ بڑے بڑے بول بولنے والوں کی صحبت سے بھاگے وہ باتیں تو بہت کرتے ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو میدان میں ٹھہر نہیں سکتے بادام تھوڑا ہی ہو مگر شیریں ہو تلخ بادام کے ڈھیر سے بہتر ہے"

کہنے لگے یہودی موت سے کیوں بھاگتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے اس کے متعلق شک کی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے مسافر جو راستہ سے ناواقف ہے ظاہر ہے راستہ اطمینان سے کیسے طے کر سکتا ہے اس کا حال اگر یہ ہو کہ ایک ایک قدم پر اِدھر دیکھتا ہے، اُدھر دیکھتا ہے، چلتا ہے۔ کہیں سے آواز آئی اُدھر نہ جانا راستہ نہیں ہے" بیچارہ ٹھٹھک جاتا ہے۔ حالاں کہ راہ پہلے سے معلوم ہو تو لوگوں کی چیخ و پکار کی اسے کیا پرواہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ بزدلوں کے ساتھ زندگی کی راہ طے کرنے کا ہرگز ارادہ نہ کرنا جب کوئی وقت آئے گا اور تم ان کو پکارو گے تو تمہیں چھوڑ کر وہ بھاگ کھڑے ہوں گے، خواہ لاف زنی میں سحر طرازیوں

سے ہی کیوں نہ کام لے رہے ہوں۔ (دفتر سوم)

اسی پریشانی میں "مجلس اکبر" کی حاضری سے بھی مشرف ہوا ارشاد ہو رہا تھا۔ "سب سے بڑا دکھ یہ ہے کہ آدمی کا دل جس چیز کو چاہے وہ میسّر نہ ہو" اس کے بعد فرمانے لگے کہ "ہم تک یہ روایت پہنچائی گئی ہے کہ حق تعالیٰ فرشتے سے کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی حاجت ابھی پوری نہ ہو کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کی پکار سنوں" اس روایت کو نقل کر کے شیخ نے کہا کہ جس شخص کی حاجت پوری نہیں ہوتی ظاہر ہے کہ دکھ اپنے اندر محسوس کرتا ہے لیکن اس دکھ کا منشاء حق تعالیٰ کا غصہ نہیں بلکہ رحمت ہوتی ہے۔ قرآن میں بھی اس "دیوار" کا جو ذکر کیا گیا ہے جس کے اندر اور باطن میں تو رحمت ہوگی اور باہر و ظاہر میں عذاب ہوگا۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ ظاہر باطن ہی کا تابع ہوتا ہے پس دکھ جو دراصل لذّت کی نایافت کی تعبیر ہے اس میں بھی رحمت کا پہلو پوشیدہ ہوتا ہے اور ثابت ہو کہ "الآلام عوارض واللذات ثوابت" (سارے دکھ عارضی ہیں اور لذتیں برقرار رہنے والی ہیں) "فالعالم مرحوم بالذات مثالم مما یعرض" (عالم کو رحم ہی کے لئے اصلاً حق تعالیٰ نے

پیدا کیا ہے اور دکھ عالم کا صرف عارضی ہے)
شیخ نے بھی اس موقع پر وہی مثال پیش کی کہ بچے کو باپ مارتا ہے اور اس مار سے بچے کو دکھ بھی پہنچتا ہے لیکن درحقیقت اس دکھ میں باپ کی مہربانی ہی پوشیدہ ہے۔ شیخ نے پھر بخاری کی اس روایت کا حوالہ دیا جس میں ایک عورت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان اللہ اشفق علیٰ عبدہ من ھذہ علیٰ ولدھا" (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جتنی کہ یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے) ص۲۷۵ ج ۳

(اکیسویں مجلس) حدیث جف القلم کی انوکھی تعبیر! | ۶ ستمبر ۱۹۵۱ء

مجلس معنوی کے حضور کا ولولہ دل میں موجزن ہوا، حاضر ہو گیا، فرما رہے تھے کہ "جف القلم بما ھو کائن" (خشک ہو چکا قلم ہر اس بات کو لکھ کر جو آئندہ پیش آنے والی ہے) اس حدیث کا مطلب لوگ کیا سمجھتے ہیں؟ فرمانے لگے ایک پہلو اس کا یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ کی فرماں برداری اور نافرمانی ہر دو باتیں برابر نہیں ہیں قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ مثالاً سمجھانے لگے کہ یوں سمجھو کہ چوری اور امانت یہ دونوں باتیں برابر نتیجہ کے لحاظ

سے نہیں ہیں۔ قلم اس قانون کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ الغرض ہر کام اپنے ساتھ خاص نتیجہ اور اثر رکھتا ہے، جو کج چلے گا اس کی کج چال سے کج نتیجہ پیدا ہو گا اور سیدھی راہ چلو گے تو سیدھا نتیجہ تمہارے سامنے آئے گا جس کا دوسرا نام سعادت ہے اسی طرح ظلم و ستم کرو گے تو نحوست تم کو پکڑے گی اور انصاف سے کام لو گے تو اس کا پھل تمہارے سامنے آئے گا۔ بہرحال اس کا یہ مطلب جو بیان کرتے ہیں کہ کام آدمی کے اختیاری حدود سے باہر ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے ہونے سے پہلے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا تھا۔ (اور اس مطلب کو سامنے رکھ کر ہر بدکار اپنی بدکاریوں میں بدکاریوں کا اضافہ کرتا چلا جاتا ہے، برائیوں کا مرتکب ہو کر آخر میں یہی کہتے ہوئے کہ جو برائی مجھ سے صادر ہوئی قلم تو پہلے اس کو لکھ کر خشک ہو چکا تھا پس ذمہ داری مجھ پر نہیں قلم پر اور اس پر ہے جس نے قلم سے ہر ہونے والی بات کو پہلے ہی لکھ چھوڑا ہے، ہندی میں جس کی تعبیر اس مشہور شعر کے ساتھ کی گئی ہے ؎

نیاؤ نہ کیو کیو ٹھکرائی بن کیے لکھ دیو برائی

(مناظر احسن گیلانی)

مولانا نے فرمایا کہ کیوں نہ اس حدیث کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ

انصاف اور بے انصافی دونوں برابر نہیں ہیں قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے ۔ خیر و شر برائی اور بھلائی دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہوگا، یہ غلط ہے بلکہ بھلائی کا نتیجہ بھلا اور برائی کا نتیجہ برا ہے، قدرت کا یہ فیصلہ ازل میں ہو چکا ہے اور اپنے قلم ازل ہی سے قدرت نے یہ لکھ دیا ہے کہ ہر برائی بھی ثمرہ اور اثر کے لحاظ سے برابر نہیں ہے بلکہ ہلکی برائی کا نتیجہ بھی ہلکا اور بڑی برائیوں کا نتیجہ بھی بہت زیادہ برا ہوگا ۔ اسی طرح قدرت نے خیر اور بھلائی کے سلسلے میں بھی یہ قانون مقرر کر دیا ہے کہ ذرہ برابر نیکی اخلاص کے ساتھ جب بندے کی طرف سے پیش ہوگی تو قدرت کا ہاتھ اس ذرہ کو پہاڑ اپنے فضل و کرم سے بنا دے گا ۔

ارشاد ہوا ایسا بادشاہ اور حکمران جس کی نظروں میں خائن اور دیانتدار ملازم دونوں ایک ہی جیسے سمجھے جاتے ہوں یا ایسے نوکر بادشاہ کے جو سامنے ہی نہیں بلکہ اس کی پیٹھ پیچھے بھی اس سے لرزاں و ترساں ہوں اور جو اسی بادشاہ پر اور اس کی حکومت پر اعتراض کرنے والے، تلاش کر کر کے اس بادشاہ کی کمزوریوں کو جو پھیلاتے رہتے ہوں دونوں کے ساتھ برابر سلوک روا رکھا جاتا ہو، تو تمہارا فیصلہ اس حکمراں کے متعلق کیا ہوگا ؟

فرمانے لگے کہ میں تو یہی کہوں گا کہ ؎

"شاہ نبود خاک تیرہ بر سرش"

الغرض اندھیر نگری کا ایسا اندھا راجا جس کی حکومت میں ٹکے سیر بھاجی اور ٹکے سیر کھاجا[1] فروخت ہوتا ہو بھلا ایسا راجہ، راجہ کہلانے کا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے اس کے سر پر خاک ڈال دی جائے تو بہتر ہے ۔ (گیلانی)

بہرحال کائنات کا نظام جو چلا جا رہا ہے اس کے ملک میں یہ اندھیر نہیں ہو سکتا بلکہ ذرّہ برابر بھی اپنی کوشش میں جو اضافہ کرے گا وہ اس کے صلے اور نتیجے کو اپنے آگے پائے گا اور قدرت کی ترازو میں یہ ذرہ برابر بھی تل جاتا ہے ۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے ۔ " اندھیر نگری کے ان اندھے حکمرانوں کے ساتھ میں دیکھتا ہوں تمہارے دل کے تعلق کا یہ حال ہے کہ جان تک ان کے لئے لڑا دینے میں تم پس و پیش نہیں کرتے حالاں کہ یہ بیچارے اندھے راجہ اور بادشاہ صحیح معنوں میں کچھ نہیں جانتے کہ واقعی ان کا وفادار کون ہے ؟ اور کون غدار ہے ۔ معمولی چغل خور ان کے کان میں کچھ پھونک آتا ہے اور بادشاہ عمر بھر کی خدمات پر تمہاری، محض

[1] ایک لطیف مٹھائی کا نام

اس کی چغلی کی وجہ سے پانی پھیر دیتا ہے،، توجہ دلانے لگے:۔

،، ذرا سوچو تو سہی کہ ہمہ شنوائی ہمہ بینائی والے بادشاہ کے ساتھ ایسی صورت میں تمہارے دل کے تعلق کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے وہی جہاں نہ چغل خوروں کی چلتی ہے نہ غمازوں کی،، اور ایک دلچسپ بات اسی کے ساتھ یہ بھی فرمائی کہ ،، چغل خوروں اور غمازوں کی وہاں تو چلتی نہیں تب اپنے دل کی بھڑاس وہ یوں نکالتے ہیں کہ ہمارے آگے وہ اس سمیع و بصیر پر گویا حملہ کرتے ہیں اور سمجھاتے پھرتے ہیں کہ میاں! بڑے صاحب نے تو پہلے لکھ لکھا کر قصہ ختم کر دیا ہے، جو کچھ بھی پیش آنے والا تھا اس کو لکھ کر ان کا قلم خشک ہو چکا پھر اپنا سر اس میں کھپانا کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے مالک کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کر کے حق وفاداری ادا کرنا چاہیئے فضول ہے، میاں کہاں کی وفا اور کہاں کی جفا۔ تمہارے ہاتھ میں کچھ رکھا بھی گیا ہے؟،، ذرا تمتما کر تند و تیز لہجہ میں فرمانے لگے ،، قلم خشک ہو چکا (یعنی جف القلم بما ھو کائن) اسکا مطلب یہ کیوں نکالا جا رہا ہے کہ جفا اور وفا دونوں برابر اور نتیجہ کے لحاظ سے یکساں ہیں، بلکہ سنو! قلم یہ لکھ کر خشک ہوا کہ جو جفا کرے گا جفا کے نتیجہ کو اپنے سامنے پائے گا اور جو وفا کریگا

وفا کے ثمرہ کو پائے گا،،

ارشاد ہوا کہ ،، معافی اور درگزر کا بھی قانون ضرور ہے لیکن جو امیدیں تقویٰ کے ساتھ قائم ہوئی ہیں ان ہی امیدوں کو اپنے اندر وہ کیسے پال سکتا ہے، جو صرف عفو اور درگزر کے قانون اور رحم و کرم کے بھروسے جی رہا ہے،، پوچھنے لگے کہ:۔ چور نے چوری کی، فرض کرو حکومت کسی خاص وجہ سے اس کو چھوڑ بھی دے اور درگزر سے بھی کام لے لیکن حکومت میں جو مقام اور جو رتبہ وزیروں اور خزانہ کے ذمہ دار افسروں کا ہے کیا اسی مقام اور اسی رتبہ کا مستحق یہ چور ہو سکتا ہے جو صرف معافی اور رحم کے قانون کے زیر اثر سزا سے بچ گیا یا بچا دیا گیا،، جوش میں فرمانے لگے کہ۔ یاد رکھو! بادشاہ کا لڑکا یا ولی عہد اگر بادشاہ کی خیانت کرے گا تو اس جرم کی سزا صرف یہی ہے کہ سر اس کے تن سے جدا کر دیا جائے لیکن بادشاہ کا کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو وفاداری کا تجربہ جب اس سے ہوتا ہے تو باوجودیکہ غلام ہونے کے بادشاہ کا وہ محبوب بن جاتا ہے اور غلام بیچارہ تو پھر بھی آدم زاد ہوتا ہے۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ وفادار کتا بھی اپنے آقا کا چہیتا بن جاتا ہے، اسی سے سمجھنا چاہیئے کہ کتا جب آقا

کا محبوب بن سکتا ہے اور بن جاتا ہے تو وفاداری شیر کی کس نتیجہ کو پیدا کر سکتی ہے،،

آخر میں ارشاد ہوا ،، سچ تو یہ ہے کہ چور سے بھی جب کوئی معقول خدمت بن آتی ہے اور راست بازی کا کوئی عمل اس سے صادر ہوتا ہے تو اس کی یہی سچائی ہزار ہا ہزار دست درازیوں کی جڑوں کو نکال کر باہر پھینک دیتی ہے،، پھر اسلامی تصوف کی تاریخ کے اس واقعہ کا ذکر فرمانے لگے کہ ،، آج ہم فضیل (ابن عیاض) کو کن نظروں سے دیکھتے ہیں (سلسلۂ تصوف کے ایک گوہر تاباں وہ سمجھے جاتے ہیں) مگر ابتداء میں کون نہیں جانتا کہ ایک ڈاکو اور چور تھے (کہتے ہیں کہ قافلہ پر دھاوا کرنے کے لئے کمیں گاہ میں رفیقوں کے ساتھ فضیل چھپے ہوئے تھے۔ صبح کا وقت تھا قافلہ سے ایک آواز بلند ہوئی یہ قرآن کی مشہور آیت تھی جس کا ترجمہ ہے کہ ،، ایمان والوں کے لئے کیا اس کا وقت نہیں آگیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد کی طرف جھک پڑیں اور ان باتوں کی طرف جنہیں خدا نے پیغمبر کے ذریعہ نازل فرمائی ہیں ،، فضیل کے کان میں آواز آئی اور سینے سے ان کے خروش بلند ہوا کہ —

،، ہاں وقت آگیا، وقت آگیا ،،

واقعی وقت آچکا تھا ڈاکوؤں کے گروہ سے وہ باہر نکلے اور اہل اللہ کے مجمع میں شریک ہو کر اپنے وقت کے قطب اور آئندہ اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے پیشوا بن گئے۔) مولانا نے ان جادوگروں کا تذکرہ بھی کیا جو فرعون کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اتر آئے تھے لیکن حضرت موسیٰ کی پیشانی سے سچائی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں ان سے وہ تلملا اٹھے اور فرعون کی دھمکی کہ کھجور کے تنوں میں باندھ کر میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا' اس کی بھی پروا نہ کی اور کہنے لگے کہ ،، فاقض ما انت قاض ،، (تیرے جو جی میں آئے کر گزر) صـ٦٥ ۴

اس بیان کے بعد مولانا نے مخاطب کر کے فرمایا کہ موسیٰ کے ساحروں میں سچائی اور صداقت کی جو تابناک روشنی چمک اٹھی یا فضیل میں توبہ وانابت کا جو سمندر موجزن ہوا تھا اس سے تم اپنی اس چند روزہ ٹوٹی پھوٹی عبادت و ریاضت کا موازنہ نہ کرنا سو سال کی عبادت ایک طرف اور ایک لمحہ کا وہ اخلاص جو ساحروں میں جلوہ گر ہوا تھا ایک طرف ۔ پھر ایک دلچسپ قصہ سنانے لگے ، اللہ والوں کا معاملہ اللہ میاں کے ساتھ اور ہوتا ہے ہم عامی لوگ یہی معاملہ خدا کے ساتھ نہیں کر سکتے قصہ

شہر ہرات میں پیش آیا. اس زمانہ میں مشہور خواجہ عمید خراسانی حکومت کے وزیر تھے اپنے غلاموں کو وہ زرق برق لباس میں رکھتے. شہر میں ایک دن ان کے غلام بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جا رہے تھے. ایک ظریف منچلے آدمی کی نظر غلاموں پر پڑی پوچھا کہ یہ اطلس در بر، اور زریں کمر کون لوگ ہیں؟ اطلاع دی گئی کہ عمید خراسانی وزیر کے غلام ہیں. سنتے ہی دیکھا گیا کہ اس ظریف کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے ہیں اور کہہ رہا ہے کہ "غلاموں کے پالنے کا ڈھنگ کاش! ہمارے شہر کے وزیر سے آپ سیکھتے، دیکھئے یہ ہے بندہ پروری کا طریقہ"۔
مولانا نے فرمایا کہ منچلا آدمی دل والا تھا. اس وقت اس کے بدن پر چیتھڑے لٹک رہے تھے اور سردی کی شدت سے بیچارہ کانپ رہا تھا، دل میں موج آئی زبان سے یہ فقرے نکل پڑے لیکن ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو اس قسم کی جرأت بیجا پر دلیر ہو جانا مناسب نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کے نیازمندوں کو ناز کی بھی اجازت ہے، بادشاہ کے مصاحبوں کو دیکھ کر شہر کا کوئی عامی، بادشاہ کے ساتھ مذاق اور ہنسی کی گفتگو کی اگر جسارت کرے گا تو اس کا نتیجہ خود کو بھگتنا پڑے گا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی

سمجھانے لگے کہ اس منچلے آزاد نے جو بات کہی وہ بھی کب ٹھکانے کی تھی. نظر خواجہ عمید کے غلاموں کے زریں کمربند پہ پڑی، وہ ان ٹوپیوں کو تو دیکھ رہا تھا جو جواہر سے جگمگا رہی تھیں لیکن جس نے کمربند نہیں کمر ہی عطا فرمائی، اور ٹوپیاں ہی نہیں جن سروں کو ٹوپیوں سے ہم چھپاتے ہیں ان کو اس کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، الغرض ؎

حق میاں داد میاں بہ از کمر — گر کسے تاجے دہد او سر دہد

آگے قصّہ کا تتمہ بھی سن لیجئے مولانا ہی نے بیان کیا ہے کہ:۔
"اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد خواجہ عمید سے بادشاہ بدگمان ہوا اور پکڑ دھکڑ شروع ہوئی. وزیر صاحب تو جیل روانہ ہوئے اور ان کے غلاموں کو بادشاہ نے شکنجے میں کس کس کر دریافت کرنا شروع کیا کہ اپنے روپے وہ کہاں کہاں رکھتا تھا. جہاں جہاں اس کے دفینے محفوظ ہیں ان کا پتہ دو، ورنہ سب کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ ایک مہینہ تک غلاموں پر ظلم و ستم کا سلسلہ بادشاہ کی طرف سے مسلسل جاری رہا لیکن غلاموں میں کوئی نہ کھلا۔ آخر عبرت کے لئے ان ہی غلاموں میں سے ایک غلام کے ٹکڑے ٹکڑے سب کے سامنے کر کے دکھائے پھر بھی نہ یہ قتل ہونے

والاغلام ہی کھلا اور نہ اس کو دیکھ کر دوسرے غلام افشائے راز پر آمادہ ہوئے ،، جس دن غلام کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا یہ دردناک واقعہ پیش آیا اسی دن کے بعد جو رات پھر آئی دہی ظریف من چلا آدمی جو اللہ میاں کو بندہ پروری کے متعلق خواجہ عمید سے سبق پڑھنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ع ،، بندہ پروردن بیاموز اے،، اسی کے خواب میں آنے والا آیا اور کان میں اس کے کہہ رہا تھا ع

،، بندہ بودن ہم بیاموز وبیا ،،

مطلب یہ تھا کہ بندہ پروری کا طریقہ خواجہ عمید سے میں سیکھوں تم نے جو یہ کہا تھا تو میں کہتا ہوں کہ بندہ بننے کا طریقہ بھی خواجہ عمید کے غلاموں سے تم کو سیکھنا چاہئے ۔ ——— (دفتر پنجم)

(بائیسویں مجلس) اللہ والوں پر اللہ کی مُحافظت

مجلس معنوی تک ۱۶ ستمبر ۱۹۵۱ء

رسائی کی عزت حاصل ہوئی ۔ قصہ بیان کر رہے تھے خود ہمارے ہندوستان کا شعر تھا ۔ آں شنیدستی کہ در ہندوستاں دید دانائے گروہے دوستاں یعنی ایک دانش مند کی نظر دستوں کے ایک گروہ پر پڑی ، یہ مسافر لوگ تھے ۔ زادراہ ختم کر چکے تھے بھوکے پیاسے تھے اور بڑی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے تھے انھیں آگے بھی جانا تھا ۔ دانش مند ان مسافروں

کو دیکھ کر خوش ہوا اور گرمجوشی سے ملا ۔ سلام و کلام کا سلسلہ دونوں کے درمیان جاری ہوا ۔ مسافروں کو دانش مند نے سمجھانا شروع کیا ،، میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ بھوک اور پیاس کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور اس کربلا کے میدان میں آپ تکلیفوں کا شکار ہو گئے لیکن میری ایک بات سنئے ، آگے آپ کو ہاتھیوں کا جنگل ملے گا جس میں ہاتھی کے بڑے موٹے فربہ بچے دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے ان کا شکار بھی بآسانی آپ لوگ کر سکتے ہیں اور انکے گوشت کا کباب بھی بڑا لذیذ ہو گا ۔ مگر یاد رکھئے کہ جہاں یہ بچے آپ کو نظر آئیں گے وہیں کہیں ان بچوں کی مائیں ہتھنیاں بھی چھپی ہوں گی ان ہتھنیوں کا دستور ہے کہ ان کے بچے کو شکار کر کے جو کھا جاتے ہیں خواہ سیکڑوں میل بھاگ کر دور کیوں نہ نکل گئے ہوں ان کا پیچھا کرنے سے وہ باز نہیں آتیں اور اپنے بچوں کے کھانیوالوں تک پہنچکر ختم ہی کر کے دم لیتی ہیں ۔ دانش مند ان کو طرح طرح سے سمجھاتا رہا اور راز بتایا کہ ان ہتھنیوں کی قوت شامہ میں غیر معمولی ذکاوت ہوتی ہے ۔ سونگھ کر وہ پتہ چلا لیتی ہیں کہ کس نے ان کے بچوں کا گوشت کھایا ہے پھر حد سے زیادہ بے رحمی کا برتاؤ ان کے ساتھ غصہ میں کرتی ہیں ، دانش مند نے چونکاتے

ہوئے کہا کہ ؎

آتش و دود آید از خرطوم او   الحذر زاں بچۂ مرحوم او

"غضبناک ہتھنیوں کے سونڈ سے آگ کا دھواں نکلتا رہتا ہے۔ خبردار، خبردار ان کے بچے کو نہ چھونا،، مگر ہوا یہ کہ مسافروں نے دانشمند کی باتیں تو سن لیں اور آگے بڑھ گئے۔ راستہ میں جیسا کہ دانشمند نے کہا تھا واقعی وہ جنگل آگیا، جس میں ہاتھیوں کے بچے کلیلیں کر رہے تھے ان کے نرم نرم فربہ گوشت کو دیکھ کر ہر ایک کا دل للچانے لگا۔ بآسانی پایا کہ ہاتھ بھی آسکتے ہیں۔ آخر ایک بچے کو ہاتھی کے ان بھوکے مسافروں نے پکڑ لیا۔ اور دانشمند کی نصیحت کہ کچھ بھی ہو جائے گھاس پات ہی کھانا پڑے لیکن ہاتھی کے بچے کو نہ چھونا، اس کی پرواکسی نے نہ کی صرف ایک مسافر بیچارہ دانشمند کی نصیحت کو یاد دلاتا رہا۔ لیکن حرص اور لالچ اور بھوک کی شدت نے سب کو بہرا بنا دیا۔ اور بچہ پکڑا گیا ذبح کیا گیا لکڑیاں جمع کرکے کباب اس کے گوشت کا ان مسافروں نے لگایا اور خوب پیٹ بھر کر اس کو نوش جاں کیا۔ البتہ وہی ایک مسافر ان کو منع کرتا رہا اس نے کھانے میں شرکت نہ کی، کھا پی کر جب سیر ہو گئے، تو درخت کی چھاؤں کے نیچے سب لیٹ

گئے، اور وہی اکیلا مسافر جس نے کھانے میں شرکت نہ کی تھی بھوک کی تکلیف کی وجہ سے جاگتا رہا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ ایک دیوانی ہتھنی تیزی کے ساتھ بھاگتی ہوئی سامنے سے آرہی ہے دل اس کا تھرا گیا، سمجھ گیا کہ جس کا بچہ ذبح کرکے کھایا گیا ہے وہی ہتھنی، جیسا کہ دانشمند نے کہا تھا، آگئی، بھاگ نہیں سکتا تھا، سوچ ہی رہا تھا کہ سر پر ہتھنی اس کے کھڑی ہوئی تھی۔ وہی چوں کہ جاگ رہا تھا ہتھنی نے پہلے اس کے منہ کو سونگھا اور پیٹ کو بھی سونڈ سے ٹٹولا لیکن اس نے گوشت ہاتھی کے بچے کا چوں کہ نہیں کھایا تھا، اس کو چھوڑ دیا اور اب سونے والوں کی طرف متوجہ ہوئی ایک ایک کا منہ سونگھتی جاتی تھی اور بچے کے گوشت کی بو محسوس کر کرکے سونڈ سے اس کو اوپر اٹھاتی اور چرخ دے کر زمین پر پٹک دیتی تھی جس سے ہڈیاں چور چور ہو جاتی تھیں یہی سلوک اس نے ہر ایک کے ساتھ کیا جس کے منہ سے گوشت کی بو آتی تھی۔ بالآخر سب ہی کو مار ڈالا۔

اس قصہ کے ساتھ مولانا نے فرمایا کہ، دیکھو! جیسے ہتھنی اپنے بچوں سے الگ ہو کر جنگل میں چرتی ہے اور بچوں کو بظاہر تنہا چھوڑ دیتی ہے مگر اس کی توجہ مسلسل بچے ہی کی طرف رہتی ہے جو

بھی اس کے بچے پر ہاتھ ڈالے گا۔ ہتھنی اس کو ختم کر دیتی ہے، کچھ یہی حال اللہ کے ان دوستوں کا سمجھو جو بظاہر دنیا میں تنہا نظر آتے ہیں ان کے پاس ساز و سامان بھی حفاظت کا نہیں ہوتا لیکن ولایت کا رشتہ خدا کے ساتھ ان کا جو ہوتا ہے اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر ہاتھ ڈالنے والے تباہ و برباد کر دئے جاتے ہیں۔

کہنے لگے کہ قرآن ہی میں دیکھو، اکیلے موسیٰ یا نوح علیہم السلام ان لوگوں کا کیا کر سکتے تھے جو ان کے برسر مقابلہ کھڑے ہو گئے تھے لیکن خدا کے ساتھ ان کا جو رشتہ تھا اس نے دشمنوں کو ختم کر دیا فرمانے لگے بیچارے لوط علیہ السلام کو ان کے شہر والے نکال دینے کا فیصلہ کر چکے تھے مگر جاؤ بیت المقدس کے راستہ میں سیاہ پانی کی ایک جھیل تم کو ملے گی، لوطؑ کی قوم کا شہر اسی مقام پر تھا، بستی الٹ دی گئی اور سیاہ پانی ایک جھیل کی شکل میں وہاں جھلک رہا ہے۔ فرمانے لگے بھائی! اس قصے کو میں کہاں تک طول دوں جگر کیا پہاڑ بھی پگھل جائیں جب ان قصوں کو سنایا جائے، مگر جگر گدازی کے اس منظر کو ہر ایک دیکھنے کی اپنے اندر تاب نہیں رکھتا ان دیکھنے والوں کو تم دیکھنے والا سمجھتے ہو جنھیں اونٹ میں صرف اون نظر آتا ہے مگر اس میں جو گوشت اور چربی اور دوسرے

کمالات ہیں ان سے وہ اندھے ہیں۔ عجیب لوگ ہیں حرص اور لالچ کے زیر اثر ایک ایک بال کی لوگ کھال نکالتے ہیں لیکن واقع میں جو اونٹ ہے اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ (کائنات کے ذرے ذرے کو اپنی تحقیقات کا تختۂ مشق بنائے ہوئے ہیں لیکن کائنات کا ظہور جس وجود کے ساتھ وابستہ ہے اسی سے یہ اندھے ہیں۔ گیلانی)

یہ دنیا کے حریص ناچتے ہیں لیکن ان کا ناچ ریچھ کا ناچ ہے جس کا نہ کوئی مطلب ہے نہ معنی لیکن کبھی کبھی رقص کی حالت ان لوگوں پر طاری ہو جاتی ہے جو اپنی خودی سے نکل کر بےخودی میں ڈوب جاتے ہیں اپنے ہاتھ سے جب نکل بھاگتے ہیں تو ہاتھوں سے تالیاں بجاتے ہیں۔ اس رقص اور ان تالیوں کا مطلب ہی اور ہے۔ ریچھ کے رقص پر ان کو قیاس کرنا غلط ہے۔ بہرحال کان سے خرافات کی روئی جب نکل جاتی ہے تب آدمی سنتا ہے ان تالیوں کو جو درختوں کے پتے بجا رہے ہیں۔

فرمانے لگے کہ کان کو، لاحاصل، بےنتیجہ مسخرگی باتوں اور دروغ بافیوں سے پاک رکھنے کی کوشش کرو، تم کو روح اور جان والے شہر اپنی روشنی اور چمک دمک کے ساتھ دکھائی دینے لگیں گے۔ دیکھو! اپنے منہ کو مذاق اور ٹھٹول سے پاک رکھو اور

دوست کے چہرے کی داستان کے سوا، اور کسی چیز کا تذکرہ نہ کرد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھے؟ "حق" کے لئے ان کا وجود صرف کان اور صرف آنکھ بن کر رہ گیا تھا۔

ہتھنی سونگھ سونگھ کر اپنے بچے کے گوشت کھانے والوں کا پتہ چلا لیتی ہے اس جزء کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے بندوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی غیبت کرتے ہیں ان کو بھی چونک جانا چاہئے کہ سونگھنے والا سونگھ سونگھ کر ان کا سراغ لگا ہی لے گا اور صرف وہی بچ جائے گا جس کے منہ سے گوشت کی بو نہ آئے گی۔ فرمانے لگے ہائے ہائے! جب منکر نکیر قبر میں ہر ایک کے منہ کو سونگیں گے اور گوشت کھانے والوں کو نہ کھانے والوں سے الگ کریں گے یہ وہ وقت ہوگا کہ کوئی حیلہ وحوالہ کام نہ آئے گا۔ منہ کو الائچی چبا کر یا لونگ رکھ کر خوشبو کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے گی اپنے ساتھ پھوڑے پھنسیاں لے کر قبر میں جو جو پہنچیں گے ان پر، ان کے گھاؤ پر منکر ونکیر کے جب گرز پڑیں گے۔ اس وقت اس دکھ اور تکلیف کا لوگوں کو اندازہ نہیں ہے۔ فرمانے لگے کہ قبر سے پہلے اسی دنیا میں عزرائیل کا جب گرز پڑتا ہے تو تم میں کوئی

اس گرز کو کیا دیکھتا ہے؟ مگر بڑے بڑے پہلوانوں کا پرخچہ نکل جاتا ہے حالاں کہ نہ لکڑی کا دستہ گرز کا نظر آتا ہے اور نہ لوہا۔ ارشاد ہوا کہ، ہاں! کبھی بیماریوں میں بیماروں کو گرز بھی نظر آتا ہے اور اس کا دستہ اور لوہا سب کچھ، بیمار چلاتا ہے کہ میرے سر پر کوئی تلوار چلا رہا ہے بھالے کوئی بھونک رہا ہے لیکن تیمار دار کہتے ہیں کہ خواہ مخواہ تم کو مالیخولیا ہو گیا ہے نہ یہاں کوئی تلوار ہے اور نہ بھالا نہ نیزہ۔ لیکن بیمار کہے جاتا ہے کہ میں تو سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ ——— (دفتر سوم)

انسانی عمر اور اس کی قدردانی کی تاکید

مولانا نے فرمایا کہ بعض اوقات مرنے والوں کو مرنے سے پہلے ہی اس قسم کے مناظر نظر آتے ہیں وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ دنیا سے رشتہ اس حرص کا کمزور ہو جاتا ہے اور دوسری دنیا کی چیزیں اب ان کے آگے ہویدا ہونے لگتی ہیں اور یوں ان کی بینائی تیز ہو جاتی ہے کہنے لگے لوگ سمجھتے ہیں کہ نزع کی حالت مرنے سے کچھ دیر پہلے طاری ہوتی ہے۔ حالاں کہ اگر سوچا جائے تو نظر آئے گا کہ ہر لمحہ آدمی پر نزع کی یہ کیفیت طاری ہے جسم سے جان کا رشتہ کمزور پڑتا چلا جاتا ہے اسی لئے چاہئے کہ ہر لمحہ

اپنے ایمان کی نگرانی آدمی کرتا رہے۔ فرمایا کہ عمر آدمی کی سمجھو کہ ایک تھیلی ہے اور دن رات کی مثال روپے کی ہے۔ تھیلی سے روپے اگر خرچ ہوتے رہیں گے اور ان کی جگہ نئے روپے اس میں نہ ڈالے جائیں گے تو تھیلی بالآخر خالی ہو کر رہے گی پہاڑ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ہر روز ایک پتھر نکالا جائے اور اس کی جگہ پتھر جمایا نہ جائے تو یقیناً ایک دن وہ بھی آئے گا کہ پہاڑ بھی ختم ہو جائیگا۔ ارشاد ہوا کہ چالاکی اور زیرکی کا اقتضاء یہ ہے کہ تھیلی سے جتنا نکالا جائے اسی قدر نئے روپوں سے بھرا جائے۔ یوں یہ تھیلی کبھی ختم نہ ہوگی۔ عمر کی تھیلی میں نئے سکوں کے بھرنے کی صورت یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تم سجدوں میں سجدوں کا اضافہ کئے جاؤ قرآن میں فرمایا گیا کہ جو کائنات کی مرکزی قوت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے اس کو "واسجد" کے حکم کی تعمیل میں سرگرمی دکھانی چاہئے "اقترب" کا نتیجہ خود بخود سامنے آتا چلا جائے گا۔

فرمانے لگے کہ تمہاری تگ و دو دیکھتا ہوں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں جاری ہے لیکن دین کی راہ میں میٹھے بیل بن کر بیٹھ جاتے ہو حالاں کہ کام اگر کچھ آئے گی تو وہی دوا دوش، سعی و کوشش جو دین کی راہ میں کرو گے۔ مولانا کا شعر تھا ؎

در تمامی کارہا چندیں مکوش　　جز بکارے کہ بود در دیں مکوش

(ترجمہ) "ہر معاملہ میں اتنی دوڑ دھوپ سے کام نہ لو بس دین کا کام ایسا کام ہے جس کے لئے کد و کاوش کرنی چاہئے"

اسی کے ساتھ مولانا کہنے لگے کہ ذرا ان لوگوں کو دیکھو جو مقبروں اور گورستانوں کی آبادی کا مطلب یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے گنبد ان میں کھڑے کئے جائیں، پختہ سنگین تعویذ قبروں کی بنائی جائیں کہنے لگے کہ گورستان کی صفائی تو اندر کی صفائی سے حاصل ہوتی ہے احمق ہر بات کو صاف کرتے ہیں چاہئے کہ آدمی اپنی موجودہ زندگی میں اپنی خودی کی قبر کھودے اور ہمیشہ کے لئے اس میں ما و من کے قصے کو دفن کر دے۔ الغرض ؎

گورخانہ قبہ ہا و کنگرہ　　بنود از اصحاب معنی آں سرہ

یعنی یہ قبوں اور کنگروں والے قبرستانوں کی اہل معنی کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے ———— (دفتر سوم)

تیئیسویں مجلس / حرص و طمع آدمی کو اندھا کر دیتی ہے | ۲۶/ اکتوبر ۱۹۵۱ء،

پھر وہی زنجیر جس سے تیس سال کی جد و جہد کے بعد خلاصی میسر آئی ہے بعض لوگوں کے ہاتھ میں دیکھ رہا ہوں کہ کھڑک رہی ہے۔

چاہا جا رہا ہے کہ وہی زنجیر پھر پہنا دی جائے۔ پہلے اگر نقرئی تھی تو اب طلائی رنگ چڑھا کر لانے والے سامنے لا رہے ہیں۔ مولانا معنوی یاد آئے ان کی معنوی مجلس تک افتاں وخیزاں پہنچا فرما رہے تھے۔ حرص اور طمع سے آدمی اندھا بن جاتا ہے۔ شعر تھا ؎

حق ترا باطل نماید از طمع　　در تو صد کوری فزاید از طمع

یعنی "سچ" طمع اور حرص کی وجہ سے تجھے جھوٹ دکھائی دے گا اور اس حرص وطمع کی وجہ سے اندھاپن میں اندھاپن کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا"۔ پھر سمجھانے لگے، عالم کے اس نظام کو سمجھو کیا ہو رہا ہے یہاں ہر رزق کے لئے قدرت نے یہاں رزق مقرر فرمایا ہے ؎

"رزق ہار را رزقہا او میدہد"

مٹی کیچڑ بن کر گھاس کے لئے روزی بنتی ہے اور گھاس جانوروں کی روزی بنتی رہتی ہے۔ اور حیوان جب گھاس کی روزی پا کر خوب تنومند فربہ اور موٹا ہو جاتا ہے تب وہی حیوان انسان کی روزی بن جاتا ہے۔ فرمایا دیکھ رہے ہو سارے عالم میں یہی قانون عام نافذ ہے۔

"جملہ عالم آکل وماکول داں"

(یعنی سارے عالم کو تو اس میں ہر کھانے والا خود بھی دوسرے

کی غذا ہے۔ کھانے والا کھایا جاتا ہے) اور دوسری بات یہ سمجھو کہ روزی کا تابع کھانے والوں کا مزاج ہوتا ہے۔ مٹی کھانے والوں کو دیکھا ہوگا کہ چہرے ان کے زرد، رونق سے محروم طرح طرح کے امراض کے شکار ہیں۔ یہ غذا ہی کا اثر تو ہے۔ جو کھانے والے کے جسم پر نمایاں ہوتا ہے۔ تیسری بات غور کرنے کی یہ ہے کہ روزی کی ایک قسم جب یہاں بند ہوتی ہے تو قدرت کی طرف سے دوسری روزی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ بچے کا دودھ جب ماں چھڑا دیتی ہے تو کیا بچہ بھوکا مر جاتا ہے؟ دودھ سے بہتر غذا قدرت کی طرف سے بچے کے لئے مہیا ہو جاتی ہے۔ دودھ چھوٹا تو روٹی، پلاؤ، کباب اور قورمہ کی رکابیاں اس کے سامنے رکھی جاتی ہیں۔

مولانا نے فرمایا، بلکہ آگے بڑھ کر ذرا اور سوچو، ماں کے دودھ سے پہلے بچے کو جب وہ رحم مادر میں ہوتا ہے کیا غذا ملتی ہے؟ حیض کا خون! پھر یہی خون والی روزی بھی بند ہو جاتی ہے تب وہ قورمہ اور پلاؤ، سیب وانگور، بالائی اور برفی شکر پارے اور گلاب جامن والی روزی سامنے آجاتی ہے "پھر نتیجہ کچھ سمجھ میں آیا"

کاش! طمع کا پردہ آنکھوں پر حائل نہ ہوتا۔ تو آگے بھی لوگوں کی نظر جاسکتی تھی۔ دکھانے والے۔ اللہ کی طرف سے دکھانے والے۔ اللہ کا پیغام لانے والے کیا دکھا رہے ہیں۔ کیا سنا رہے ہیں؟ مولانا نے فرمایا مگر شکم مادر سے باہر کی دنیا کا پیغام لے کر اگر اس بچے کے پاس کوئی پہنچے جو ماں کے رحم میں اوندھا پڑا رہتا ہے اور چاروں طرف سے گندگی اسے گھیرے اور پیپٹے رہتی ہے اور ان ہی گندگیوں نجاست کی چادر میں لپٹا ہوا ہے چارہ ناف کی راہ سے ایام کے زمانے کا خون چوستا رہتا ہے۔ اسی پر اس کی زندگی اور نشو و نما کا دار و مدار ہے اس موقع پر شکم مادر کے باہر کی دنیا کا پیغام اگر اسے دیا جائے اور سنانے والا سنائے کہ:۔ "دیکھو جس رحم میں تو الٹ پلٹ ہو رہا ہے اس سے باہر ایک پُرفضا وسیع دنیا ہے۔ مسرتوں اور لذتوں کے ساز و سامان سے پٹی ہوئی دنیا ہے۔ نت نئی نعمتوں سے لبریز ہے اس میں اونچے اونچے پہاڑ اگر ایک طرف اپنی شوکت و صولت کا نظارہ پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف فراٹے بھرنے والے دریا اور سمندر اپنے دیدہ زیب منظر سے نگاہوں کو سُرور دلوں کو نشاط و نور سے بھر دیتے ہیں۔ الغرض جدھر دیکھو

"کوہ ہا و بحر ہا و دشتہا   بوستانہا، باغہا و کشتہا"

کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ اوپر آسمان کا وسیع خیمہ تنا ہوا ہے جس میں سورج اور چاند تارے جگمگاتے رہتے ہیں۔ رحم مادر سے قدم باہر نکالو تو سبھی یہ سارا سماں تمہارے پیش نظر ہو جائے گا جس کے لئے تمہیں کوئی قیمت ادا نہ کرنی پڑے گی"

مولانا نے فرمایا لیکن جانتے ہو رحم مادر سے باہر کے متعلق اس "پیغام" کے پہنچانے والے کے ساتھ پیٹ کی گہرائیوں میں پڑے ہوئے اس بچے کا برتاؤ کیا ہوگا؟ اس کے سوا کہ پیغام پہنچانے والے کی یہ ساری باتیں اسے محض خود تراشیدہ و افسانہ معلوم ہوں، وہ اور کیا کہے گا۔ ناممکن ہے، محال ہے، یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ بس اسی کی رٹ لگاتا رہے گا۔ آخر جب تاریکی اور تنگی کے سوا کسی اور چیز کا اسے تجربہ ہی نہیں ہوا ہے تو رحم سے باہر کی دنیا کی وسعتوں اور فراخیوں کا اندازہ وہ کیسے کرے۔ مولانا نے فرمایا بس یہی حال ہے ان لوگوں کا جو اس دنیا کے رحم میں الجھے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں۔ پیغام دینے والے مسلسل دیتے چلے جا رہے ہیں کہ اس دنیا کے بعد بھی ایک اور عالم ہے جس کے مقابلہ میں ایک اندھے کنوئیں اور تیرہ و تار غار سے زیادہ وقعت اس دنیا کی نہیں ہے

مگر خون کی خرابی کا مزہ اور اس مزے کے لالچ میں اسیر ہونے والے بچے کے لئے رحم سے "باہر کچھ نہیں ہے"، کا فیصلہ، صحیح فیصلہ قرار دیتا ہے۔ یہی حال ہے ان لالچیوں کا جن کی نگاہوں پر دنیا کی مسرتوں اور لذتوں کی خواہش کا پردہ پڑا ہوا ہے، اور اس دنیا سے باہر بھی دنیا ہے اس کے امکان تک کے دروازے کو ان کی عقل پر اسی خواہش کا زور بند کئے رہتا ہے۔ الحاصل ؎

طمعِ ذوقِ ایں حیات پر غرور   از حیات راستینت کرد دور

"موجودہ زندگی کی پر فریب حرص نے "حیات راستیں (سچی زندگی) کے خیال کو تجھ سے دور کر رکھا ہے"

پھر مولانا نصیحت فرمانے لگے کہ: "بچوں کی طرح تم بھی اس دنیا کے لالچ کی طرف سے اپنے اندر بیزاری پیدا کرو اسی کے بعد تمہارے سامنے وہ آستانہ آجائے گا جس پر سر رکھنے کے ساتھ ہی پستی بلندی سے بدل جاتی ہے"۔ کہنے لگے "میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اس آستانے پر پہنچنے کے ساتھ ہی پہلا اثر اپنے اندر پاؤ گے کہ خوشی و غم کی جھنجھٹوں سے تم اپنے کو پاؤ گے کہ چھوٹ گئے، تب تمہاری جان کی آنکھ روشن ہو جائے گی اور (جو اب تک باطل بیں تھی) حق بیں بن جائے گی۔ تمہارے اندر صرف دین ہی کا نور چمک اٹھے گا

جس میں کفر کی سیاہی کا کوئی ریشہ نہ ہوگا" فرما رہے تھے کہ تم امن و امان چاہتے ہو، ڈر اور خوف سے چاہتے ہو کہ نجات مل جائے، تو پھر ؎

"پند پیراں را پذیر اشو بجاں"

یہ "پیراں" وہی لوگ ہیں جو اس دنیا کے رحم میں لوٹنے والوں کے پاس اس سے بھی زیادہ وسیع عالم کے نظام کا پیغام پہنچاتے رہے ہیں کہ اس سراپا انتشار اور صرف اضطراب والی دنیا کے مقابلہ میں ایک عالم بھی ہے۔ جہاں صرف سکون ہے، اضطراب نہیں ہے۔ جہاں صرف آسودگی ہے بے اطمینانی نہیں ؎

ایں جہان و ساکنانش منتشر
واں جہان و ساکنانش مستمر

——————— (دفتر سوم)

ضمیمہ

(۱)

شیخ اکبرؒ کا اجمالی تعارف

محمد ابن علی ابن عربی، اسم گرامی اور محی الدین آپ کا لقب تھا اور عام طور پر شیخ اکبر کے لقب سے معروف ہیں، سلسلۂ نسب آپ کا حاتم طائی تک پہنچتا ہے۔ ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ (۱۱۶۵ء) کو پیر کی شب آپ کی ولادت بمقام اندلس ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کی سیاسی قوت اندلس میں آخری سانس لے رہی تھی۔

آپ علوم ظاہری و باطنی کی اعلیٰ جامعیت کے حامل اور مسلک وحدۃ الوجود کے پیشوا ہیں۔ آپ کو نسبت باطنی شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جامع موصلیؒ سے حاصل ہے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے فیض یافتہ ہیں شیخ اکبرؒ کو ۶۰۱ھ میں خلافت باطنی بمقام موصل عطا ہوئی۔

شیخ نے پہلا حج ۵۹۸ھ میں کیا اور اسی سال فتوحات مکیہ کی تالیف شروع فرمائی جو ۶۳۵ھ میں ختم ہوئی۔

شیخ کے بعض معاصر علماء اور صوفیہ نے شیخ پر سخت نکتہ چینی کی ہے لیکن ان ہی کے مقابل بعض نہایت جلیل القدر ہستیوں نے آپ کے متبع سنت اور عارف محقق ہونے کی شہادت دی ہے۔ مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے بعد ملاقات فرمایا کہ وہ (شیخ اکبر) تو حقائق کا سمندر ہیں۔ اصل یہ ہے کہ شیخ نے جن اسرار و رموز کو کھولا ہے وہ اس قدر باریک و نازک ہیں کہ عام علماء اور صوفیہ کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ بھی نہیں ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے غلبۂ حال میں یہ معارف بیان فرما دئیے ہوں بلکہ جیسا کہ خود شیخ کا بیان ہے وہ اس اظہار پر مامور تھے۔ نہ ظاہر کرتے تو جلا دئیے جاتے۔

شیخ کی ذات کثیر الکرامت تھی حسی و معنوی بے حد کرامات آپ سے ظاہر ہوئی ہیں۔

کثرت تصانیف میں شیخ کا مقام ابن سینا اور غزالی پر بھی فائق ہے ۶۳۲ھ میں خود شیخ نے کسی ضرورت سے اپنے کتب و رسائل کی تعداد شمار کی تھی تو وہ (۲۷۹) تھی اس کے بعد بھی آپ نے

چھ برس حیات پائی۔ مولانا جامیؒ کا خیال ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہے۔ پھر اس تعداد میں ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ مثلاً شیخ کی تفسیر کلام پاک (۹۵) جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔

شیخ کی بیشتر کتابوں کا موضوع عرفان و احسان ہی ہے سب سے مشہور کتابیں فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ ہیں۔ ان میں فصوص "اعظم مولفات ابن عربی" شمار کی جاتی ہے۔ خواجہ برہان الدین ابو نصر پارساؒ کا قول ہے کہ "فصوص جان ہے اور فتوحات دل" حقیقت یہ ہے کہ ان کتابوں کو ضبط فرما کر شیخ نے عرفاء اور اعلیٰ سالکین پر احسان عظیم فرمایا۔

۲۲ / یا ۲۸ / ربیع الثانی ۶۳۸ھ (۱۲۴۰ء یا ۱۲۴۱ء) کو اس عظیم المرتبت عارف ربانی نے بمقام دمشق رحلت فرمائی اور موضع صالحیہ میں اس کے جسم خاکی کو پیوند خاک کر دیا گیا

نور اللہ مرقدہ۔

---

(۲)

شیخ رومیؒ کا مختصر تعارف

نام نامی محمد، لقب گرامی جلال الدین، مشہور مولانا روم کے لقب سے ہیں آپ کا ددھیال صدیقی اور ننھیال علوی ہے۔ ۶ / ربیع الاول ۶۰۴ھ کو بمقام بلخ (خراسان) آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ شیخ اکبر قدس سرہٗ کے معاصر ہیں۔

مولانا کو متداول علوم عقلی و نقلی میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ سلطان روم علاؤ الدین کیقباد کی درخواست پر آپ ۶۲۶ھ میں قونیہ (ترکی) تشریف لائے یہاں آپ کی بڑی عزت و منزلت تھی۔

۶۴۲ھ تک مولانا نے عالمانہ شان کی زندگی بسر فرمائی درس تدریس کے علاوہ وعظ اور اس سے بڑھ کر فتویٰ نویسی آپ کا خاص شغل تھا لیکن اسی سنہ میں آپ کی ملاقات محمد بن علی بن ملک داد المعروف بہ شمس تبریز قدس سرہٗ سے ہوئی شکوہ علمی نے فقر کے آگے سپر ڈال دی۔ مولانا، شمس کے

دست گرفتہ اور مرید ہو گئے اس ارادت سے حالت دفعتاً بدلی بقول علامہ شبلی مرحوم :۔

"مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے آپ کی زندگی عالمانہ جاہ وجلال کی اک شان رکھتی تھی ان کی سواری جب نکلتی تھی تو علماء اور طلبہ بلکہ امراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا سلاطین وامراء کے دربار سے بھی ان کو تعلق تھا لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالت بدل گئی کہ درس وتدریس، افتا وافادہ کا سلسلہ اب بھی جاری تھا لیکن وہ پچھلی زندگی محض ایک یادگار تھی ورنہ زیادہ تر محبت ومعرفت کے نشہ میں سرشار رہتے تھے"

اب مولانا علامہ عصر کے بجائے شیخ وقت اور عارف یگانہ کی حیثیت اختیار کر گئے اور اہل قال کے بجائے اب طالبان معرفت کا رجوع آپ کی طرف بڑھ گیا۔

۶۳۸ھ میں جب شیخ اکبر نے وفات پائی تو ان کے اطراف جو حلقہ ارباب عشق ومعرفت کا جمع تھا اس نے اپنے ذوق کی تسکین کے لئے مولانا کی صحبت اختیار کی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ اکبرؒ اور مولانا رومؒ توحید اور اسرار باطنی میں ایک ہی مذاق کے

حامل ہیں۔ بحرالعلوم مولانا عبدالعلیؒ کی شرح مثنوی ہے جس میں مولانا کے اشعار کی وضاحت میں جابجا شیخ اکبرؒ کے اقوال لائے گئے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے متحد الذوق ہونے کا کھلا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت شمسؒ کے انتقال کے بعد مولانا نے اپنے پیر بھائی اور طالب حسام الدین چلپی کی تحریک پر وہ مثنوی تحریر فرمائی جو مثنوی معنوی کے نام سے مشہور اور ارباب تصوف کا ایک مستند صحیفہ ہے!

مثنوی نے عقلیت اور ظاہر پرستی کے پرخچے اڑا دئیے اور ہر زہر کا تریاق عشق الٰہی کے جذبہ کو قرار دیا۔ فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

چوں کہ مثنوی کی بنیاد ایک لازوال حقیقت (عشق الٰہی) پر ہے اس لئے اس نے خود مثنوی کو بھی ایک لافانی کتاب بنا دیا ہے اور آج بھی تشنگان عشق ومعرفت اس سے اسی طرح سیراب ہیں جیسے اس کے ابتدائی صدیوں میں تھے۔ ارسٹھ برس تین ماہ کی عمر پاکر یہ آفتاب معرفت ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو غروب آفتاب کے وقت ہمیشہ کے لئے اس عالم فانی سے روپوش ہو گیا رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا کا مزار آج بھی قونیہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔!!

نعت

عرضِ احسنؔ

(بآستانۂ نبوتِ کبریٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)

ہر ایک سے ٹکرا کر ہر شغل سے گھبرا کر ہر فعل سے شرما کر ہر کام سے پچتا کر
آمد بدرت بنگر

اے خاتمِ پیغمبر یا قاسم الکوثر اے سرورِ ہر سرور اے رہبرِ ہر رہبر
اے آنکہ توئی افسر ہر کہتر و ہر مہتر فی المبداء والمحشر اے ہستیٔ تو محور
للاکبر والاصغر اے طلعتِ تو مظہر للاول والآخر اے رحمِ جہاں پرور
آقائے کرم گستر آمد بدرت بنگر

امروز چہ مہمانے ناکارہ و نادانے آلودۂ عصیانے آغشتہ دامانے
بازیچۂ شیطانے از کردہ پشیمانے
آمد بدرت بنگر نے مونس و نے یاور

نے ساز نہ سامانے نے علم نہ عرفانے نے دین نہ ایمانے نے فضل نہ احسانے
از خانہ دیرانے وز کلبۂ احزانے وز مجلس و زندانے ناشکری و کفرانے

آمد بدرت بنگر کالحائر والمضطر
باچاک گریبانے باسینۂ بریانے بادیدۂ گریانے بااشک فراوانے
بانالہ و افغانے باشورش پنہانے بادانش حیرانے باعقل پریشانے
درصورت عطشانے درگریۂ درمانے خواہد ز تو فرمانے پروانۂ غفرانے
آمد بدرت بنگر ابائس والمعتر
شاہا تو بہ من منگر بررحمت خود بنگر انصاف تو کن آخر غیر از تو مرا دیگر
من ناظر والناصر والشائع والمستغفر

تو جوششِ رحمانی تو سایۂ یزدانی تو شاہدِ ربانی تو جلوۂ سبحانی
تو مرکزِ اعیانی تو جوہرِ فردانی تو مبدءِ اکوانی تو مقصدِ امکانی
تو مرجع و پایانی تو جانی و جانانی تو روحی و ریحانی تو زبدۂ انسانی
تو نیرِ فارانی تو درۂ عدنانی
تو مہبطِ قرآنی
تو خاتمِ ادیانی ہاں دینی و ایمانی

اے آنکہ تو درمانی ہر رنج و پریشانی بنگر کہ مسلمانی تورانی و ایرانی
ہم ہندوئی و افغانی ہم مصری و سوڈانی از نزغۂ شیطانی وز جذبۂ حیوانی
در دانشِ نفسانی وز شورشِ عمرانی یونانی و رومانی افرنجی و برطانی
در سکرتِ وہمانی در ظلمۂ نادانی

در ورطۂ ظلمانی

ہاں دستِ دعا بکشا از ذروۂ اَوْ اَدْنیٰ ۔۔۔ در قبۂ مَا اَوْحیٰ اے مرتضیٰ تو ترضیٰ

اے ملتِ تو بیضاء فاللّیل لقد یغشیٰ ۔۔۔ والکفر قد استعلیٰ ذا امتدّ الضعفیٰ

فی سیطرۃِ الاعداء ۔۔۔ ہاں سہلک لا یطغیٰ

ورمیک لا یخفیٰ

واللہ ھُوَ الاعلیٰ ۔۔۔ وَالحقُّ فلا یعلیٰ

یہ نعت حضرت گیلانی کی شخصیت کے گوناگوں مناظر کا آئینہ ہے، وفورِ عشقِ نبوی، کمالِ علمی، اجمالِ عرفان، غلبۂ جذب، آزادئ رسوم، سوزِ ملتِ بیضا، اور جوشِ کفر شکنی وغیرہ۔

ختم شد

دو عظیم مصنّف، دو عظیم کتابیں

احیاء العلوم حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی مشہور کتاب احیاء العلوم صدیوں سے مرجع عام وخاص بنی ہوئی ہے یہ ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا ہے، اسلامی زندگی سے تعلق رکھنے والا شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جس پر مصنفؒ نے سیر حاصل بحث نہ کی ہو بلاشبہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، اور اسرار شریعت کا یہ حسین وجمیل مرقع اپنے گراں قدر مصنف کی علمی جامعیت اور رسوخ کا اعلیٰ شاہکار ہے، یہ پہلی کتاب ہے جس پر امت کے تمام فرقے متفق نظر آتے ہیں ـــــــ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ کتاب مرکز علم دیوبند سے قسطوار شائع ہو رہی ہیں (دس قسطیں شائع ہو چکی ہیں) ہر قسط کی قیمت ۱۰/=

زاد المعاد امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم جوزیؒ کی مشہور اور معرکۃ الآراء تصنیف ہے امام ابن قیم نے یہ کتاب ان لوگوں کے لئے لکھی ہے جو سیرت رسالتمآبؐ کا تاریخی اور تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اس کتاب میں قرآن کریم کی تفسیر بھی ہے اور حدیث کی تشریح بھی، راویانِ حدیث پر جرح بھی ہے اور فقہ کے مسائل بھی، غزوات نبویؐ کی تاریخ بھی ہے اور مکی مدنی زندگی کی مستند تفصیل بھی، یہ کتاب اپنی معنویت، افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے واقعی زاد المعاد یعنی توشۂ آخرت ہے،

اس موضوع پر اس سے اچھی اور اچھوتی کتاب کسی زبان میں نہیں ملتی۔ چار جلدوں پر مشتمل یہ کتاب بھی قسطوار شائع کی جا رہی ہے (دو قسطیں تیار ہیں) ہر قسط کی قیمت -/۱۰ —— ممبران کا ڈاک خرچ اور پیکنگ مصارف ادارہ برداشت کرتا ہے انہیں ہر قسط -/۱۰ میں وی پی کی جائیگی۔ آپ بھی ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتے ہیں

ہماری تازہ مطبوعات

عربی میں خط لکھئے — عربی اور اردو میں خطوط نویسی کے موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب سو سے زیادہ عربی خطوط کے رواں دواں اور شگفتہ و سلیس ترجمے کے ساتھ، ہر خط پر اعراب، مشکل پسندی کے رجحان سے پاک اور سادہ و خوبصورت زبان و بیان، تہنئت، تعزیت، شکوہ شکایت، دعوت، محبت، تجارت، تعلیم وغیرہ موضوعات سے متعلق بے شمار خطوط اور تار کے نمونے قیمت

مجالس الشیخین — شیخ اکبر ابن عربیؒ اور عارف کامل مولانا رومیؒ، اسلامی تاریخ کی نامور شخصیتیں ہیں، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحؒ نے ان دونوں بزرگوں کی روحانی مجلسیں ترتیب دیں اور مجالس الشیخین کے عنوان میں بڑے دلنشیں انداز میں ان کے افادات کی ترجمانی کی کتاب کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے گویا ہم خود ان بزرگوں کی مجلس میں حاضر ہیں اور اپنے کانوں سے ان بزرگوں کے ارشادات سن رہے ہیں۔ قیمت -/۹

اسباب غضب حدیث کی روشنی میں — تالیف: مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمود حسن مدظلہ، تشریح: جناب مولانا محمد فاروق صاحب میرٹھی —— باری تعالیٰ کن مواقع پر اور کن لوگوں سے ناراض ہوتے ہیں؟ دوسرے لفظوں میں باری تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کے اسباب کیا ہیں؟ یہ سوال اس کتاب کا موضوع ہے، اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسکا جواب دیا گیا ہے اس موضوع پر یہ کتاب منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ قیمت

یہ کتابیں ضرور پڑھیئے

معلم العربیہ — اردو میں جدید عربی زبان کی تعلیم کے لئے نہایت سہل اور مفید سلسلہ نصاب چار حصوں میں۔ قیمت مکمل ۱۸/۵۰

عربی بولئے — عربی مدارس کے اساتذہ، طلباء، عربی زبان کے اسکالرس، حجاج کرام، عرب ممالک میں تجارت، ملازمت اور سیاحت کی غرض سے جانے والوں کے لئے عربی زبان میں بول چال کی کتاب۔ قیمت -/۷۵

عربی میں ترجمہ کیجئے — عربی زبان میں ترجمہ نگاری اور مضمون نویسی کیلئے رہنما کتاب دینی، اخلاقی، معاشرتی، سوانحی، وصفی، فکری، تعلیمی، تربیتی، طبی، سائنسی، مزرعی، لغوی، ادبی، فنی، سیاسی، تاریخی اور دوسرے موضوعات پر نمونے کے مضامین۔ شروع میں ترجمہ نگاری اور مضمون نویسی کے اصول و قواعد پر مشتمل ایک تفصیلی مقدمہ، کتاب کے آخر میں ایک ہزار سے زائد مشکل الفاظ کے معنی۔ قیمت -/۱۲